انسانی قدروں کا حامی، ملک و قوم کا بہی خواہ
قبولیت عامہ کے ساتھ تیرہواں سال گذر رہا ہے
المہدی
مارچ ۱۹۶۹ء
غالب نمبر
(بمسرت جشن صدسالہ)
szlibrary.wordpress.com
مؤسس و مدیر
محمد علی
کاچیگوڑہ حیدرآباد (27)
فی پرچہ
پچاس پیسے

ہر کس برائے خویش پناہے گزیدہ است
ما در پناہ قاسم آل محمدیم

المہدی

جلد ۵ | مارچ ۱۹۶۹ء م ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ | شمارہ ۳

مقصد - ہدایت برائے بنی نوع انسان

نصب العین - (۱) ٹھوس اسلامی معاشرہ کی اشاعت
(۲) حقائق و شخصیات کی روشنی میں تعصب جاتی کی سعی۔
(۳) قومی و ملی اتحاد کا پرچار
(۴) ادبی و سیاسی لٹریچر کے ذریعہ سیکولرازم کا فروغ
(۵) دیسی طب کی افادیت سے روشناسی

پالیسی - احترام انسانیت و آئین پسندی

موسس و مدیر .... محمد علی
مشیر خصوصی .... ابوالفہیم وحید علیخاں
مقام اشاعت .... جمال بستی ۱۷-۱-۵ کاچیگوڑہ حیدرآباد

المہدی (ماہنامہ) فارم ۴ دفعہ ۸ کے تحت تفصیلات کا اعلان

اشاعت کی جگہ ۱۷-۱-۵ جمال بستی کاچیگوڑہ حیدرآباد (۲۷)
اشاعت کا وقفہ ——— ماہنامہ
پرنٹر کا نام ——— محمد علی
قومیت ——— ہندوستانی
پتہ ۱۷-۱-۵ جمال بستی کاچیگوڑہ حیدرآباد (۲۷)
پبلشر کا نام ——— محمد علی
قومیت ——— ہندوستانی
پتہ ۱۷-۱-۵ جمال بستی کاچیگوڑہ حیدرآباد (۲۷)
ایڈیٹر کا نام ——— محمد علی
قومیت ——— ہندوستانی
پتہ ۱۷-۱-۵ جمال بستی کاچیگوڑہ حیدرآباد (۲۷)
کل پونجی کے ایک فیصد سے زیادہ حصہ دار کے نام اور پتے ——— نہیں
میں محمد علی اعلان کرتا ہوں کہ میری دانست میں مندرجہ بالا تفصیلات صحیح ہیں

دستخط محمد علی
پبلشر

زر مبادلہ

عطیہ خصوصی براہ .... حسب صوابدید
عطیہ سالانہ .... پچیس روپے
سعادت .... بارہ روپے
چندہ .... چھ روپے
فی پرچہ .... پچاس پیسے

نوٹ - بلا اخذ رسید دفتری و مہر دستخطی ایڈیٹر، قیمت کی ادائیگی غیر قانونی متصور ہوگی

نرخنامہ اشتہارات .... فی اشاعت
ایک صفحہ .... بیس روپے
آدھا صفحہ .... دس روپے
پاؤ صفحہ .... سات روپے
آٹھواں حصہ .... پانچ روپے، بارھواں حصہ .... تین روپے

نوٹ - انگریزی کتابت تین روپے اور بلاک کی چھپوائی کے لئے بالعموم ... مستقل اشتہار کی صورت میں ... خصوصی نرخ ... ہر صورت میں ڈبل ہوگا۔

مالک، طابع، ناشر و ایڈیٹر محمد علی نے دائرہ الکٹرک پریس چھتہ بازار سے چھپوا کر جمال بستی ۱۷-۱-۵ کاچیگوڑہ حیدرآباد سے شائع کیا

غالب کی کہانی غالب کی زبانی

(غالب کے لکھے ہوئے خطوط سے ترتیب شدہ)

مرتبہ نواب مرزا

۱۲۱۲ ہجری میں پیدا ہوا ہوں، میں قوم کا سلجوقی ہوں۔ دادا میرا ماوراء النہر سے شاہ عالم کے وقت میں ہندوستان آیا تھا، مغل سلطنت ضعیف ہو گئی تھی۔ صرف پچاس گھوڑے نقارہ نشان سے شاہ عالم کا نوکر ہوا۔ ایک پرگنہ سیر حاصل ذات کی تنخواہ میں پایا۔ بعد انتقال اس کے جو طوائف الملوکی کا ہنگامہ گرم تھا وہ علاقہ نہ رہا۔ باپ میرا عبداللہ خاں بہادر لکھنؤ جا کر نواب آصف الدولہ کا نوکر رہا۔ چند دن بعد حیدرآباد میں جا کر نواب نظام الدین علی خاں کا نوکر ہوا۔ تین سو سوار کی جمعیت سے ملازم رہا۔ کئی برس وہاں رہا۔ وہ نوکری ایک خانہ جنگی کے بکھیڑے میں جاتی رہی۔ والد نے گھبرا کر الور کا قصد کیا۔ راؤ راجہ بختاور سنگھ کا نوکر ہوا۔ وہاں کسی لڑائی میں مارا گیا۔ نصراللہ بیگ خاں میرا چچا مرہٹوں کی طرف سے اکبرآباد کا صوبہ دار تھا اس نے مجھے پالا۔ ۱۸۰۶ء میں جرنیل لیک صاحب کا عمل ہوا۔ صوبہ داری کمشنری ہو گئی اور ایک انگریز مقرر ہوا۔ میرے چچا کو لیک صاحب نے سواروں کی بھرتی کا حکم دیا۔ ... سواروں کا برگیڈیر ہوا ایک ہزار روپیہ ... ذات کا ... سال کی جاگیر۔ اس کے ... علاوہ ... بھر ... کی تھی کہ مرگ ناگاہ ... [illegible]

فارسی زبان و ادب سے لگاؤ

فطرت سے میری طبیعت کو زبان فارسی سے ایک لگاؤ تھا۔ چاہتا تھا کہ فرہنگوں سے ماخذ مجھے ملے بارے مراد بر آئی اور اکابر پارس میں سے ایک بزرگ یہاں وارد ہوا۔ اور اکبرآباد فقیر کے مکان پر دو برس رہا اور میں نے اس سے حقائق زبان فارسی کے معلوم کئے۔ اب مجھے اس امر میں نفس مطمئنہ حاصل ہے مگر دعویٰ اجتہاد نہیں ہے بحث کا طریقہ یاد نہیں ہے۔

حلیہ

میرا قد درازی میں انگشت نما ہے جب میں جیتا تھا تو میرا رنگ چمپئی تھا اور دیدہ ور لوگ اس کی ستائش کرتے تھے۔ اب جو کبھی مجھ کو وہ اپنا رنگ یاد آتا ہے تو چھاتی پر سانپ سا پھر جاتا ہے۔ کیا کہوں جی پر کیا گذری جب داڑھی مونچھ میں سفید بال آ گئے۔ تیسرے دن چیونٹی کے انڈے گالوں پر نظر آنے لگے اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ ناچار مسی بھی چھوڑ دی اور داڑھی بھی مگر یاد رکھئے اس بھونڈے شہر میں ایک وردی ہے عام، ملا، حافظ، بساطی، نیچہ بند، دھوبی، سقہ، بھٹیارہ، جلاہا، کنجڑا، منہ پر داڑھی سر پر بال، فقیر نے جس دن داڑھی رکھی اسی دن سر منڈوا دیا۔

شادی

۷ رجب ۱۲۲۵ھ کو میرے واسطے حکم دوام حبس صادر ہوا ایک بیڑی (بیوی) میرے پاؤں میں ڈال دی اور دلی کو زنداں مقرر کیا اور مجھے زنداں میں ڈال دیا۔

اولاد بھائی اس داغ کی حقیقت مجھ سے پوچھو ۷۴ برس کی عمر میں سات بچے پیدا ہوئے لڑکے لڑکیاں بھی کسی کی عمر پندرہ مہینے سے زیادہ نہ ہوئی

نظم و نثر ۱۱ برس کی عمر سے کاغذ نظم و نثر مانند اپنے نامۂ اعمال کے سیاہ کر رہا ہوں باسٹھ برس کی عمر ہوئی پچاس برس اسی شیوہ کی ورزش میں گذرے ابتدائی سن تمیز سے اردو زبان میں سخن سرائی کی بادشاہ دہلی کا نوکر ہو کر چند روز اس روش پر خامہ فرسائی کی نظم و نثر فارسی کا عاشق ہوں ایک کم ستر برس دنیا میں رہا اب کہاں تک رہوں۔ ایک اردو کا دیوان ہزار بارہ سو ابیات تین رسالے نثر کے یہ پانچ نسخے مرتب ہو گئے اب اور کیا کہوں گا مدح کا صلہ نہ غزل کی داد نہ پائی ہرزہ گوئی میں ساری عمر گنوائی۔

حادثہ اسیری کوتوال دشمن تھا اور مجسٹریٹ ناواقف فتنہ گھات میں تھا اور ستارہ گردش میں باوجودیکہ مجسٹریٹ کوتوال کا حاکم ہے میرے بارے میں وہ کوتوال کا محکوم بن گیا۔ اور میری قید کا حکم صادر کر دیا۔ سشن جج باوجودیکہ میرا دوست تھا اور ہمیشہ مجھ سے دوستی اور مہربانی کا برتاؤ برتتا تھا اور اکثر صحبتوں میں بے تکلفانہ ملتا تھا اس نے بھی اغماض اور تغافل اختیار کیا۔ صدر میں اپیل کیا گیا مگر کسی نے نہ سنا۔ اور وہی حکم بحال رہا پھر معلوم نہیں کہ کیا باعث ہوا کہ جب آدھی میعاد قید گذر گئی تو مجسٹریٹ کو رحم آیا اور صدر میں میری رپورٹ کی اور وہاں سے حکم رہائی کا آگیا اور حکام صدر نے ایسی رپورٹ بھیجنے پر اس کی بہت تعریف کی۔ سنا ہے کہ رحم دل حاکم نے مجسٹریٹ کو بہت نفرین کیں اور میری خاکساری اور عالی حالی سے اس کو مطلع کیا۔ یہاں تک خود مجسٹریٹ نے رہائی کی رپورٹ بھیجدی۔ میں ہر کام کو خدا کی طرف سے سمجھتا ہوں اور خدا سے لڑا نہیں جا سکتا جو کچھ گذرا اس کے ننگ سے آزاد اور جو کچھ گذرنے والا ہے اس پر راضی ہوں مگر آرزو کرنا عین عبودیت کے خلاف نہیں میری یہ آرزو ہے کہ اب دنیا میں نہ رہوں دیکھیں وہ وقت کب آئے گا کہ درماندگی کی قید سے جو اس گذری ہوئی قید سے جان فرسا ہے نجات پاؤں اور پھر اس کے کوئی منزل مقصود قرار دوں سر بہ صحرا نکل جاؤں یہ ہے جو کچھ مجھ پر گذرا اور یہ ہے جس کا میں آرزو مند ہوں۔

رہائش دس گیارہ برس سے اس مکان میں رہتا تھا سات برس تک ماہ بماہ چار روپے دیئے گئے تین برس کا کرایہ کچھ اوپر سو یکمشت دیا گیا۔ مالک نے مکان بیچ ڈالا جس نے لیا ہے اس نے مجھ سے پیام بلا ابرام کیا اور حد لگا دی صحن بالا خانہ کا جس کا دو گز عرض اور ۱۰ گز طول۔ اس میں ڈیڑھ رات کو ہوا گرمی کی شدت باوجود قرب گمان یہ گذرتا تھا کہ گلا گھٹتا ہے اور صبح کو مجھ کو پھانسی ملیگی۔ تین راتیں اسطرح گذاریں۔ دوشنبہ ۱۷ جولائی کو ایک مکان ہاتھ آگیا وہاں جا رہا جان بچ گئی یہ مکان بہ نسبت اس مکان کے بہتر ہے نہ مجھے خوف مرگ ہے نہ دعوائے صبر ہے۔ میرا مذہب بخلاف عقیدۂ قدریہ جبریہ ہے تم نے بخیہ گری کی بھائی نے یادہ پروری کی تم جیتے رہو وہ سلامت رہیں ہم اس حویلی میں تا قیامت رہیں۔

قلعہ کی ملازمت دلی کی سلطنت تھی سات برس مجھکو روٹی دے کر بگڑ گئی۔ بادشاہ دہلی نے پچاس روپیہ ماہانہ مقرر کیا تھا ان کے ولیعہد نے چار سو روپیہ سال ولیعہد اس تقرری کے دو برس بعد مر گئے۔ جب بادشاہ دہلی نے مجھے نوکر رکھا اور خطاب دیا اور خدمت تاریخ نگاری سلاطین تیموریہ مجھکو تفویض کی

ذوق نے ایک غزل طرز تازہ پر کہی مقطع اس کا یہ ہے۔

غالب وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا
وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہوں

میں بادشاہ اپنے فرزندوں کے برابر پیار کرتا تھا بخشی، ناظر، حکیم کسی سے توقیر کم نہیں مگر فائدہ وہی قلیل، اس کا نام "مہر نیم روز" اور سلاطین تیموریہ کی تاریخ ہے اب وہ بات بھی گئی۔ بلکہ وہ کتاب اب چھپانے کے لائق ہے نہ چھپوانے کے قابل۔

غدر کے بعد کے حالات پرسوں میں سوار ہو کر کنوؤں کا حال دریافت کرنے گیا تھا مسجد جامع ہوتا ہوا راج گھاٹ دروازے کو چلا مسجد جامع سے راج گھاٹ دروازے تک بے مبالغہ ایک صحرا لق و دق ہے اینٹوں کے ڈھیر جو پڑے ہیں وہ اگر اٹھ جائیں تو ہو کا مکان ہو جائے یاد کرو، مرزا گوہر کے باغیچے کے اس جانب کو کئی بانس نشیب تھا اب وہ باغیچہ صحن کے برابر ہو گیا۔ فصیل کے کنگرے کھلے رہے ہیں باقی سب اٹ گیا اب آہنی سڑک کے واسطے کلکتہ دروازہ کابلی دروازے تک میدان ہو گیا ہے لاہوری دروازہ کا تھانہ دار مونڈھا بچھا کر سڑک پر بیٹھتا ہے۔ جو باہر سے گورے کی آنکھ بچا کر آتا ہے اسکو پکڑ کر حوالات میں بھیج دیتا ہے حاکم کے ہاں سے پانچ پانچ بید لگتے ہیں یا دو روپیہ جرمانہ لیا جاتا ہے آٹھ دن قید رہتا ہے اس کے علاوہ سب تھانوں پر حکم ہے کہ دریافت کرو، کون بے ٹکٹ مقیم ہے اور کون رکھتا ہے۔ تھانوں میں نقشے مرتب ہو گئے ہیں۔

کیا پوچھتے ہو کیا لکھوں؟ دلی کی ہستی منحصر کئی ہنگاموں پر تھی۔

قلعہ، چاندنی چوک، ہر روز بازار مسجد جامع کا، ہر ہفتہ سیر جمنا کے پل کی، ہر سال میلہ پھول والوں کا

یہ پانچوں باتیں اب نہیں۔ پھر کہو دلی کہاں؟ ہاں کوئی شہر قلمرو ہند میں اس نام کا تھا مسجد جامع واگذاشت ہو گئی۔ چتلی قبر کی طرف شیر فروشوں اور کبابیوں نے دکانیں بنالیں۔ اذا مرغی کبوتر بکنے لگے عشرہ مبشرہ یعنی دس آدمی مہتم ٹھہرے مرزا الٰہی بخش، مولوی صدر الدین، تفضل حسین خاں ابن فضل اللہ خاں۔ تین اور یہ سات اور ۷ نومبر ۱۴ جمادی الاول سال حال جمعہ کے دن ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ قید فرنگ و قید جسم سے رہا ہو

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

یہاں شہر ڈھے رہا ہے بڑے بڑے نامی بازار خاص بازار، اردو بازار اور خانم کا بازار کہ ہر ایک بجائے خود ایک قصبہ تھا۔ اب پتہ بھی نہیں کہ کہاں تھے کشمیری کٹڑا او داو بیچ او رو دریبی بڑی کوٹھڑیاں دو رویہ نظر نہیں آئیں کہ کیا ہوئیں۔ آہنی سڑک کا اور اس کی راہ گذر کا صاف ہونا ملتوی ہے۔

لو سنو۔ تمہاری دلی کی باتیں ہیں چوک میں بیگم کے باغ کے دروازے کے سامنے حوض کے پاس جو کنواں تھا اس میں سنگ و خشت و خاک ڈالکر بند کر دیا۔ بلی ماروں کے دروازے پاس کی کئی دوکانیں ڈھا کر راستہ چوڑا کر لیا۔ کلکتہ دروازہ سے کابلی دروازہ تک میدان صاف ہو گیا۔ پنجابی کٹڑہ، دھوبی واڑہ، رام جی، گنج۔ سعادت خاں کا کٹڑہ جرنیل کی بیوی کی حویلی۔ رام جی داس گودام والے کے مکانات۔ صاحب رام باغ حویلی۔ ان میں سے کسی کا پتہ نہیں ملتا۔ قصہ مختصر کہ شہر صحرا ہو گیا تھا اب جو کنویں جاتے رہے اور پانی گوہر نایاب ہو گیا تو یہ صحرا صحرائے کربلا ہو جائے گا۔ شہر کا حال میں کیا جانوں کیا ہے۔ پون ٹوٹی کوئی چیز ہے وہ جاری ہو گئی ہے سوائے اناج اور اپلے کے کوئی چیز ایسی نہیں کہ محصول نہ لگا ہو۔

جامع مسجد کے گرد پچیس پچیس فٹ گول میدان نکلے گا۔ دوکانیں حویلیاں ڈھائی جائیں گی۔ دارالبقا فنا ہو جائیگا۔ رہے نام اللہ کا۔ خان چند کا کوچہ شاہ بولا کے بڑ تک ڈھے گا۔ دونوں طرف سے پھاوڑا چل رہا ہے۔

اب یہاں ٹکٹ چھاپے گئے ہیں میں نے دیکھے فارسی عبارت یہ ہے۔ "ٹکٹ آزادی درون شہر دہلی بہ شرط ادخال جرمانہ"

دربار رامپور سے تعلق

نواب یوسف علی خاں بہادر والئی رامپور کہ برائے آشنائے قدیم ہیں اس سال یعنی ۱۸۵۷ء میں میرے شاگرد ہوئے ناظم ان کو تخلص دیا گیا۔ مہینے پچیس غزلیں اردو کی بھیجتے ہیں۔ صلاح دیکر بھیجدیتا۔ گاہ گاہ کچھ روپیہ ادھر سے آ جاتا تھا۔ قلعہ کی تنخواہ جاری انگریزی پنشن کھلا ہوا۔ ان کے عطا یافتہ گنے جاتے تھے۔ جب دونوں تنخواہیں جاتی رہیں تو زندگانی کا مدار ان کے عطیے پر رہا۔ بعد فتح دلی وہ ہمیشہ میرے مقدم کے خواہاں رہتے تھے۔ میں عذر کرتا تھا۔

آخری ایام

ناتوانی زوروں پر ہے۔ بڑھاپے نے نکما کر دیا ضعف، سستی، کاہلی، گراں جانی، رکاب میں پاؤں ہے۔ باگ پر ہاتھ ہے۔ بڑا سفر دور و دراز درپیش ہے۔ زاد راہ موجود نہیں خالی ہاتھ جاتا ہوں۔ اگر ناپرسیدہ بخشدیا تو خیر اگر باز پرس ہوئی سقر مقر ہے ہاویہ زاویہ ہے دوزخ جاوید اور ہم ہیں۔

اس تین برس میں ہر روز مرگ نو کا مزہ چکھتا ہوں حیران ہوں کہ کوئی صورت زیست کی نہیں پھر میں کیوں جیتا ہوں۔ روح میری اب جسم میں اس طرح گھبراتی ہے جس طرح طائر قفس میں۔ حواس کھو بیٹھا۔ حافظہ کو رو بیٹھا اگر اٹھتا ہوں تو اتنی دیر میں کہ جتنی دیر میں ایک قد آدم دیوار اٹھے۔ آپ کی پرسش کے قربان جب تک میرا مرنا نہ سنا ہو گا خبر لو۔ میرے صاحب میرے محبوب تم کو میری خبر بھی ہے۔ آگے ناتواں تھا اب نیم جان ہوں۔ [illegible] ضعف بصر، جہاں چار سطریں لکھیں انگلیاں ٹیڑھی ہو گئیں۔ حروف سوجھنے سے رہ گئے۔ اکہتر برس جیا اب زندگی برسوں کی نہیں مہینوں کی بلکہ دنوں کی ہے۔

وفات سے ایک دن قبل

میرا حال مجھ سے کیا پوچھتے ہو ایک آدھ روز میں میرے ہمسایوں سے پوچھنا۔

دم واپسیں بر سر راہ ہے
عزیزو اب اللہ ہی اللہ ہے۔

از مولانا پیر شہودی قادری المتخلص شاہ تعین بادشاہ ([illegible])

حیات غالب

نام و نسب

حضرت غالب کا پورا نام مرزا اسد اللہ بیگ خاں اور تخلص غالب تھا۔ آبا و اجداد ایبک نسل کے ترک تھے سلسلۂ نسب تور ابن فریدوں سے ملتا ہے جس پر غالب کو فخر تھا۔

مقام و تاریخ پیدائش

بتاریخ ۸ ماہ رجب المرجب سنہ ۱۲۱۲ ہجری مطابق ۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ء غالب بمقام آگرہ پیدا ہوئے۔

پرورش و تعلیم

سنہ ۱۲۱۷ ہجری میں غالب کے والد مرزا عبد اللہ بیگ خاں نے وفات پائی اس وقت غالب کی عمر پانچ برس کی تھی۔ پرورش ان کے چچا مرزا نصر اللہ بیگ نے کی۔ غالب سن شعور تک آگرہ میں رہے۔ سات برس کے ہوئے تو دہلی آنے جانے لگے۔ سنہ ۱۲۲۶ ہجری میں جب غالب چودہ برس کے تھے انہی دنوں ایک پارسی ہرمزد نامی نیا نیا مسلمان ہو کر ایران سے آیا اسلامی نام عبد الصمد تھا غالب نے دو سال تک اس سے فارسی کی تعلیم حاصل کی وہ عربی کا بھی ماہر تھا۔ چنانچہ آپ کے ذہن پر عبد الصمد کے پارسی عقیدوں کا بے انتہا اثر پڑا۔

شادی اور اولاد

مرزا کی شادی نواب فخر الدولہ کے خاندان میں ہوئی چنانچہ ۷ رجب سنہ ۱۲۲۵ ہجری کو آپ کا عقد احمد بخش خاں کے چھوٹے بھائی نواب الٰہی بخش خاں کی چھوٹی صاحبزادی امراؤ بیگم سے ہوا جو غالب سے دو برس چھوٹی تھیں۔ غالب کے ہاں سات بچے پیدا ہوئے چار لڑکے اور تین لڑکیاں مگر کسی نے پندرہ ماہ سے زیادہ عمر نہ پائی۔ مایوس ہو کر اپنی بیوی کے بھانجے زین العابدین عارف کو متبنٰی لیا۔ جب عارف انتقال کر گئے تو آپ کو بیحد صدمہ ہوا۔ عارف کے مرنے کے بعد مرزا نے اس کے چھوٹے بیٹے حسین علی خاں کو گود لے لیا عارف کی بیوی کے انتقال کے بعد اس کا بڑا بیٹا باقر علی خاں بھی مرزا کے پاس آرہے۔

قیام دہلی

دہلی میں غالب کے قیام کا زمانہ پچاس برس کے قریب ہے مطالعہ کا بے حد شوق تھا مگر کتابیں ہمیشہ کرایہ پر منگواتے شعر کہنے میں آپ کو خاص ملکہ تھا۔ جب شعر سناتے تو حاضرین مجلس پر رقت طاری ہو جاتی۔ آپ مشاعروں میں بڑے ذوق و شوق سے حصہ لیتے جو شعروں کو بھاتا اس کی تعریف مبالغہ کی حد تک کرتے۔

مرزا کی ساری عمر قصیدہ گوئی اور مدح سرائی میں گذری۔ الطاف پسندی کا یہ عالم تھا کہ مومن کا ایک شعر پسند آیا ع

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

تو بولے مجھ سے میرا سارا دیوان لے لو مگر یہ شعر مجھے دیدو۔ شعروں پر اصلاح بھی دیتے تھے۔ کبھی شوق سے اور کبھی

غالب اور دہلی

از مرزا محمود بیگ

حضرت غالب شادی کے دو تین سال بعد تقریباً سولہ سال کی عمر میں دہلی آئے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔ گو خود اس واقعہ کا بیان اس طرح خط میں لکھتے ہیں

"تیرہ برس حوالات میں رہنے کے بعد تا حیات قید بامشقت کی سزا ہوئی۔ بیوی کی شکل میں بیڑیاں پہنائی گئیں۔ دہلی کو جائے قید قرار دیا گیا۔ اور شعر و سخن کی خدمت مشقت تجویز ہوئی"

دہلی میں رہ کر انہوں نے شعر و سخن کی دنیا کو اس طرح مالا مال کیا کہ آج تک داستان سخن میں ہی نہیں بلکہ تاجداران سخن میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ عمر کے ۵۶ برس جو انہوں نے دہلی میں گذارے ان میں مغلوں کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر بادشاہ کی ملازمت اور پھر استادی کی۔

سنہ ۵۷ء کا انقلاب دیکھا عزیزوں کی موت کے رنج اٹھائے۔ دوستوں کی پھانسیوں کے چرکے کھائے اور زمانے نے ایک ایک کر کے اپنے ترکش کے تیر ان پر چلائے۔ مگر اس کے باوجود ان کا دل ایک ایسا جام جہاں نما ہے جس میں ایک ہی نقش ہمیشہ نظر نہیں آتا بلکہ اس میں فطرت کے عام نقوش باری باری نمایاں ہیں اور ہر نقش دل آویز ہے۔ ان کے کلام میں سب کچھ ہے اگر آپ دل لگی اور بذلہ سنجی و ظرافت کا سامان چاہتے ہیں تو یہاں خیال آفرینی اور شوخ نگاری کی پھلجھڑیاں ہیں اگر آپ شباب کی رنگین داستان اور حسن و عشق کے افسانے سننا چاہتے ہیں تو یہاں وہ سوز و گداز اور نشہ و مستی کی باتیں ہوں گی جن سے مردہ دلوں میں بھی جان پڑ جائے گی اور اگر آپ زندگی کے رازہائے نہاں کی پردہ کشائی چاہتے ہیں تو غالب کی پختہ کار ہستی آپ کو ایک سر بفلک بلندی پر لے جا کر اس کارگاہ ہستی کی سیر کرائیگی جہاں سے اس عالم کون و مکاں کی ایک ایک چیز صاف نظر آئے گی اور یہ باوجود اس کے دہلی میں ایک مکان میں سکون سے رہنا نصیب نہیں ہوا آگرہ سے آکر کچھ دن شروع میں گلی قاسم جان میں اپنی سسرال محلہ نواب الٰہی بخش میں رہے جہاں اب شفاخانہ جامعہ طبیہ ہے۔ اس کے بعد اسی گلی میں اپنے لیے اسی گلی میں ایک مکان خرید اگر اسے کلکتہ جانے سے پہلے فروخت کر دیا کیونکہ روپے کی ضرورت تھی کلکتہ سے واپس آکر وہ کھاری باولی میں حویلی نواب عبدالرحمٰن میں رہے کچھ دن بعد جامع مسجد کے بیچ میں اور وہاں سے اٹھے تو پھاٹک حبش خاں میں حویلی مرزا شعبان بیگ میں رہے۔ یہیں سے شاید ان کو قید میں رہنا پڑا۔ قید سے چھوٹے تو احاطہ کالے صاحب میں رہے وہاں سے اٹھے تو بلی ماراں میں حکیم محمد حسن خاں صاحب کے مکان میں آئے جہاں سنہ ۱۸۶۰ء تک رہے ابھی ہنگامہ زوروں پر تھا کہ شریف منزل بلی ماراں میں حکیم محمود خاں صاحب کے مکان میں عارضی طور پر آئے اور پھر واپس حکیم محمد حسن خاں والے میں آنے کے بعد اس کے پاس ہی میر خیراتی کے مکان میں آ گئے۔ سنہ ۱۸۶۵ء میں رامپور کے دوسرے سفر کے بعد دہلی کے بعد مردانہ حصہ کے لئے وہ مکان جو بلی ماراں سے گلی قاسم جان میں داخل ہوتے ہی الٹے ہاتھ کو پڑتا ہے اور مسجد کے برابر ہے اسی مکان میں ان کا انتقال ہوا۔ مکان کی مصیبت کے باوجود دہلی کے سخن سنج احباب اور استادان سخن کی صحبت اور خود اپنی طبیعت کی روانی نے کلام کو ترقی دی۔

بادل ناخواستہ اپنے نام کے آگے خان بہادر لکھنا پسند کرتے تھے۔ بے انتہا ذہین تھے جو چیز ایک مرتبہ پڑھ لیتے وہ گویا دماغ پر نقش ہو جاتی۔ مرزا خطوط کا جواب ضرور دیتے خطوط نہایت عمدہ پیرائے میں لکھتے تھے خطوط بیرنگ ضرور بھیجتے۔

ظرافت تو ان کی رگ رگ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی باوجود انتہائی تنگدستی میں گذر رہے ہونے کے کسی سے احسان لینا گوارا نہ کرتے تھے خودداری ہر حالت میں قائم رہتی۔ ہمدرد اتنے تھے کہ لباس تک دوسروں کو دیدیتے۔ پانچ چھ ملازمین مع بیوی بچوں کے ہر وقت گھر پر موجود رہتے تھے۔ در پر فقیر آتے گھر میں جو کچھ رہتا انھیں ضرور دیتے دلی میں رہائش کے دوران مرزا نے ہمیشہ کرایہ کے مکان لیے۔ جی اکتا جاتا تو مکان بدل لیتے۔ مکان کی کوٹھری میں قیام کرنا پسند کرتے تھے دوستوں کے دکھ درد میں برابر شریک ہوتے اور ان کی فرمائشوں سے کبھی تنگ نہ آتے مرزا کو جانور پالنے کا بھی شوق تھا مولانا حالی کہتے ہیں کہ "مرزا کی بیگم نہایت پرہیزگار خاتون تھیں مگر مرزا بھی انھیں پاؤں کی بیڑی کہتے تھے۔

مولانا حالی کہتے ہیں کہ غالب کو گوشت اور آم بے حد پسند تھے۔ آم کھاتے ہوئے کبھی جی سیر نہ ہوتا تھا۔ مرزا کو پینے کی عادت بہت تھی مگر ایک مقررہ مقدار سے بڑھ کر نہیں اور پھر اس کی تیزی کو کم کرنے کے لیے اس میں گلاب بھی ملا لیا کرتے تھے۔ حقہ کو نوشی بھی کرتے حقہ پینا بے حد پسند تھا چوسر کھیلنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ لباس میں چوغہ، کھلا پاجامہ اور پوست کی کلاہ استعمال کرتے تھے۔

قیام کلکتہ مرزا نصراللہ بیگ کے انتقال کے بعد مرزا کو جو پنشن ملتی تھی اس میں کمی واقع ہو گئی۔ ضرورتوں نے سخت تنگ کر رکھا تھا۔ قرض خواہوں کے تقاضے بڑھتے جا رہے تھے خاندانی پنشن کے متعلق چارہ جوئی کے لئے مرزا نے سنہ ۱۸۲۶ء کو کلکتہ کے لئے روانہ ہوئے۔ جب مرزا کانپور پہنچے تو خیال آیا لکھنؤ دیکھتے چلیں لکھنؤ سے باندہ گئے پھر الٰہ آباد سے ہوتے ہوئے بنارس پہنچے بنارس سے ۱۹ دسمبر ۱۸۲۷ء کو روانہ ہوئے آخر کلکتہ پہنچ کر خوب مدارت ہوئی آپ تقریباً تین برس تک کلکتہ میں مقیم رہے مگر لا حاصل لندن تک اپیل کی کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا کلکتہ میں قیام کے دوران لوگوں نے مرزا کے کلام پر بھی اعتراض کئے کیونکہ آپ ہندوستان میں امیر خسرو کے علاوہ کسی اور کو فارسی شاعر نہیں مانتے تھے آپ ۲۹ نومبر ۱۸۲۹ء واپس دلی پہنچ گئے۔

قید مرزا کو چوسر اور شطرنج کھیلنے کی عادت تھی جو انھیں لے ڈوبی اور قماربازی کے الزام میں سنہ ۱۸۴۷ء عیسوی میں نظر بند کر دیے گئے اس قید کی مدت تین ماہ تھی اس دوران آپ نے فارسی نظم حسب حال کہی اور مجموعے "سبد چین" میں شائع کی رہائی کے بعد آپ حضرت محمد نصیر الدین عرف کالے صاحب بہادر شاہ کے مکان میں رہے سنہ ۱۲۶۶ ہجری میں ابوظفر سراج الدین بہادر شاہ نے مرزا کو خطاب سے نوازا اور تاریخ نویسی کی خدمت پر پچاس روپے ماہوار پر مامور کیا سنہ ۱۲۷۱ ہجری میں ابراہیم ذوق کے انتقال کے بعد بادشاہ کے اشعار کی اصلاح بھی مرزا سے متعلق ہو گئی تھی مرزا اس کام کو بادل ناخواستہ انجام دیتے رہے سنہ ۱۸۵۷ء میں جب غدر ہوا تو تمام دلی خالی ہو چکی تھی ان دنوں غالب کی مالی حالت بہت خراب تھی۔ والیٔ رامپور نے سو روپے ماہوار مرزا کے لئے مقرر کیا اور پھر ایک سال بعد کی سرکاری پنشن بھی جاری ہو گئی۔ غدر کے بعد غالب پے در پے بیماریوں سے نڈھال ہو چکے تھے اور مرنے سے پہلے بیہوشی اور غشی میں مبتلا ہو گئے تھے آخر ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۵ ہجری مطابق ۱۸۶۹ء کو یہ آفتاب ہمیشہ کیلئے غروب ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مذہب امامیہ انہیں کے طریقے پر دفن کرنا چاہیے تھے مگر نواب ضیاء الدین احمد خاں نے تمام رسول اہل سنت کے طریق پر ادا کیں۔

غالب

از اظہر افسر

افراد:۔
غالب
امراؤ (بیگم غالب)
نیاز علی (نوکر)

(مرزا غالب کے مکان کا زنانہ حصہ۔ دہنی جانب سفید چاندنی کا فرش اجس کے وسط میں امراؤ نماز پڑھ رہی ہے پردہ اٹھتا ہے تو امراؤ نماز ختم کر کے دعا کے لئے ہاتھ بلند کرتی ہے)

(مرزا غالب بائیں ونگ سے داخل ہوتے ہیں۔)

امراؤ۔ دعا ختم کر کے غالب کی طرف دیکھتی ہے۔

غالب۔ تم نے تو اچھے خاصے گھر کو خانہ خدا بنا لیا ہے ایک طرف مصلیٰ، دوسرے طرف وضو کا لوٹا۔ محل سرا مسجد سے کیا کم ہے۔

امراؤ۔ (جائے نماز الٹ دیتی ہے) ہونے دیجئے آپ کو ان باتوں سے مطلب؟ (ذرا پیرہ تشکیک کرتی ہے) حکیم غلام اللہ خان کا آدمی آیا تھا۔

(ایک طرف تخت پر بیٹھ جاتے ہیں) تو کہلا دو ہم گھر دیکھ رہے ہیں، ہم آٹھ دس دن میں منتقل ہو جائیں گے۔

——— ان کا کہنا بھی درست ہے، حویلی انہوں نے خریدی ہے تو اپنی مرضی سے رد و بدل بھی کریں گے۔

خیر یہ تو بتاؤ صبح والا مکان کیسا ہے؟ میں نے مردانہ حصہ تو دیکھ لیا ہے، وہ مجھے پسند ہے باقی مکان کی بابت تمہاری کیا رائے ہے؟

امراؤ۔ مکان تو خاصہ ہے۔ لیکن ....

غالب۔ لیکن؟

امراؤ۔ سنا ہے اس مکان میں کوئی ہے۔

غالب۔ بلا؟ (ہنستے ہیں) تم سے بڑھ کر بھی دنیا میں کوئی بلا اور ہوگی؟ ———

امراؤ۔ میں بڑھی تو کیوں مول لی اپنے سر؟

غالب۔ کوئی ہنسی خوشی مول لی ہے ——— سنو! عالم دو ہیں، ایک عالم ارواح ایک عالم آب و گل حاکم ان دونوں عالموں کا ایک ہے جو فرماتا ہے لمن الملک الیوم اور پھر آپ ہی جواب دیتا ہے لله الواحد القہار۔

——— سن رہی ہو؟

امراؤ۔ ہاں! ہاں! سب سن رہی ہوں، شکر ہے آج اسکی یاد تو آئی۔

غالب۔ ہر چند قاعدہ عام یہ ہے کہ عالم آب و گل کے مجرم عالم ارواح میں سزا پاتے ہیں۔ لیکن یوں بھی ہوا ہے کہ عالم ارواح کے گنہگار کو دنیا میں بھیجکر سزا دیتے ہیں چنانچہ میں رجب ۱۲۱۲ھ میں روبکاری کیلئے یہاں بھیجا گیا، ۱۳ برس حوالات میں رہا اور ۷ رجب ۱۲۲۵ھ کو حکم حبس دوام صادر ہوا یعنی نکاح (امراؤ کی جانب اشارہ کرتے ہیں) مرزا الٰہی بخش خاں کی بیٹری پاؤں میں ڈالدی اور شہر دلی کو زندان مقرر کر دیا۔

امراؤ۔ تو کیوں حبس دوام کی سزا قبول کی۔ نکر تے

غالب۔ قبول کی وجہ یہ کہ حضرت چچا جان مرزا نصر اللہ بیگ کی یہ آرزو تھی۔ آرزوئے خانہ آبادی نے ویران کر دیا کردن گر سایہ دیوار

الہدیٰ

سیلابی کرتے اب تو یہ آرزو ہے کہ یہ شطرنجی اور لوٹا
کندھے پر ڈالوں، لکڑی ہاتھ میں لوں اور پیادہ
پا چل نکلوں۔ آج یہاں، کل وہاں، کبھی شیراز
جا نکلا، کبھی مصر جا ٹھیرا، کبھی نجف جا پہنچا۔

امراؤ۔ تو جان لیجئے کہ وہ وقت آ پہنچا ہے وہ دن گذر گئے
سیٹھ مٹھرا داس سے قرض لے لیا اور ادھر دربای مل کو جا مارا
ادھر خوب چند سکھ، چین سکھ کی کوٹھی جا لوٹی۔
ہر ایک کے تقاضے بھری موجود سارا سامان ہم نے بیچ بیچ
کر کھا لیا اب کوئی ایسی چیز نہیں کہ جس کا بندوبست
ہو سکے دو سال سے پنشن بند ہے۔ قلعہ کی تنخواہ گھٹائی
میں پڑی ہے۔ کبھی آپ نے سوچا بھی کہ یہ صبح شام
کس طرح گذرے؟ جس قدر کرایا تھا، سامان تھا
آہستہ آہستہ ختم ہو گیا گویا الذوں لوگ روٹی کھاتے
تھے اور ہم اپنی چیزیں۔

غالب۔ (مسکرا رہے ہیں)

امراؤ۔ سب سے زیادہ رنج تو مجھے ان نوکروں کا ہے
جنھوں نے اس تنگی و عسرت میں بھی ہمارا ساتھ نہ چھوڑا
خوش دا خوش جو کچھ ہم پہ گذری ہے وہ بھی اس میں
برابر کے شریک رہے ہیں۔

غالب۔ تو خوش ہو جاؤ کہ میں بھی تمہارے لئے ایک
خوشخبری لے کر آیا ہوں۔

امراؤ۔ (ہنس کر) خوشخبری!

غالب۔ نواب یوسف علی خاں رئیس رامپور نے ۱۰۰ روپیہ
ماہوار وظیفہ مقرر کیا ہے۔

امراؤ۔ خوشی سے آنکھیں چمک اٹھتی ہیں) سچ!

غالب۔ اور بہت جلد پنشن بھی جاری ہو جائے گی
پچھلے بقائے کے ساتھ۔

امراؤ۔ رب العزت نے مجھ عاصیہ کی دعا سن لی، ابھی
ابھی میں نے اسی کے لئے دربار خداوندی میں ہاتھ پھیلائے
تھے، رامپور کا وظیفہ کب تک آ جائے گا۔

غالب (مسکراتے ہوئے) آ جائیگا۔ پہر آ چکا۔

امراؤ۔ آ چکا؟ تو پھر کہاں ہے، آپ نے تو اندر
کچھ نہیں بھیجا۔

غالب (انگلر بائیں ڈنگ تک جاتے ہیں باہر
لوٹ کر) لو وہ آ رہا ہے۔

(نوکر، سر پر ایک ٹوکرا اٹھائے جس پر گھانس کچھی ہے
اندر داخل ہوتا ہے)

غالب۔ بڑی دیر لگا دی

نوکر۔ راہ میں تفتہ صاحب کے آدمی نے روک
لیا تھا، یہ مکتوب دیا ہے۔

نوکر بڑی وقت سے آہستہ آہستہ ٹوکرا اتار کر نیچے
رکھتا ہے)

غالب (خط پڑھتے ہیں) .... آپ نے
جو بہ سبب ذوق سخن، اصلاح اشعار منظور
فرمائی تھی سو حاضر ہے ـــــ لاحول ولا قوۃ
(خط ذرا کے تخت پر ایک طرف رکھ دیتے ہیں)
کس ملعون نے بہ سبب ذوق شعر اصلاح منظور کی تھی،
میں نے تو یہ طریق قہر درویش بر جان درویش۔
اصلاح کے لئے لکھ دیا تھا، جیسے (بیگم کی طرف
دیکھتے ہیں) ایک اچھی جورو دوسرے خاوند کے ساتھ
اپنا مرنا بھرنا اختیار کرتی ہے۔

(نوکر چلا جاتا ہے)

امراؤ (شکر) آم ہیں!

غالب مرے آپ کے مطلب کے نہیں مہر بند جام ہیں۔

غالب ٹوکرے کو ادھر ادھر کرتے ہیں تو دو بلیں کھنکتی ہیں)

امراؤ (ناک سکیڑ لیتی ہے)

غالب۔ اچھے پر ٹنکروں میں اضافہ نہ ہو تو عرض کروں
سارے وظیفہ کی خریدی ہے۔

امراؤ۔ سارے وظیفہ کی!۔ اور۔ کھانے پینے کا کیا ہوگا؟

غالب۔ کھانے پینے کا! کیسی باتیں کر رہی ہو بیگم! کلمات کفر
منہ سے نکال رہی ہو؟ اس نے ہر جاندار کے رزق کا
ذمہ اپنے سر لیا ہے۔ میں کون ہوں جو کھانے پینے
کی فکر کروں ــــ ہاں جس چیز کا وعدہ اس نے
نہیں کیا ہے اس کا بندوبست میں نے کر لیا ہے
گو کوڑ ہے خالص ولایتی۔

امراؤ۔ (دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر سسکیاں لینے
لگتی ہے)

غالب۔ بیگم!ـــ بیگم!

امراؤ۔ آج میں نے جان لیا کہ مجھ جیسی بدقسمت
عورت اس دنیا میں کوئی نہیں۔

غالب۔ بیگم!

امراؤ۔ سمجھتی تھی کبھی تو آپ باپ دادا کی طرح
سپہ گری کی زندگی اختیار کریں گے کبھی تو آپ
زر و مال گنوانے کی بجائے سنبھالنے کی فکر کیجئے
کبھی تو مجھے بیگم کا امیرانہ ٹھاٹھ پل بھر کے لئے نصیب
ہوگا لوگ کہتے ہیں اولاد، شوہر کی دی ہوئی سب
سے بڑی راحت ہے، سات اولادیں ہوئیں
سوا سوا برس کی ہو کر سب چل بسیں، نہیں نہیں
کچھ نہیں، کوئی راحت نہیں، کوئی نہیں (پھوٹ پھوٹ
کر رونے لگتی ہے)

غالب۔ بیگم!ـــ بیگم! یہ کیا ہو رہا ہے

امراؤ۔ (پکارتی ہے) نیاز علی!ــ

(نوکر آتا ہے)

کلو سے کہو ڈولی کا انتظام کرے میں قاضی کے
حوض جاؤں گی، میرا منہ کیا دیکھ رہا ہے، جا۔ (نوکر جانے
لگتا ہے)

غالب۔ نیاز علی!

امراؤ۔ میں نے کیا کہا ہے تجھ سے، کلو سے کہہ ڈولی کا
انتظام کرے۔

(نوکر چلا جاتا ہے)

غالب: بیگم!

امراؤ: مجھ سے نہ بولئے

غالب:ـ بیگم ـــ سنو تو

امراؤ: میں نے کہا نا! جو آپ کا دل چاہے کیجئے۔

(نوکر آتا ہے)

نوکر: ڈولی تیار ہے

غالب: ہٹ ڈولے کے بچے۔ اتنی جلدی تجھے کہار بھی
مل گئے؟

امراؤ: چل تو آگے آگے چل! دیکھ لیجئے اچھی طرح،
میں اس گھر سے کچھ نہیں لے جا رہی ہوں سوائے
ان دو کپڑوں کے جو میرے جسم پر ہیں، کہو تو انھیں بھی
اتار دوں۔ کسی دن ولایتی کھوڑ کے کام آ جائیں گے۔

غالب (راستہ روکتے ہوئے) بیگم! بیگم!!

امراؤ: میں نے کہا، ہٹ جائیے میری راہ سے
نہیں تو میں تو اپنا سر پھوڑ لوں گی، جان دے دوں گی
آپ کی بلا سے جا رہی ہے اب کوئی روک ٹوک نہیں رہے گی [illegible]
اور آپ بھی جی بھر کر عیش و نشاط منائیے۔ (چلی جاتی ہے)

غالب: بیگم! بیگم!! (دروازے تک بڑھتے ہیں اور پھر سر تھام کر واپس
آ جاتے ہیں) عیش و نشاط!

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیے

(سٹیج پر تاریکی چھا جاتی ہے پس منظر کوئی درد ناک آواز میں
گا رہا ہے)

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو
بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے
کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو
پڑیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیمار دار
اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

(پردہ آہستہ آہستہ گرتا ہے)

(اقتباس بشکریہ ملاپ)

سید ولدار حسین چیف ایڈیٹر منصف
صدر غالب کمیٹی

غالب صدی تقاریب
(حیدرآباد میں)

میں غالب صدی آندھرا پردیش کے صدر کی حیثیت سے حیدرآباد میں جشن غالب کی تقاریب کے بارے میں چند امور کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں۔ جناب فخرالدین علی احمد صاحب مرکزی وزیر صنعتی ترقیات جب پچھلے سال حیدرآباد تشریف لائے تھے تو مقامی اہل علم و ادب کے جلسہ میں موصوف کی موجودگی میں میرا انتخاب صدارت غالب کمیٹی آندھرا پردیش کے لئے عمل میں آیا تھا۔ افسوس ہے کہ ناسازی مزاج کی وجہ یکم مارچ کے منعقدہ یادگار جلسہ میں صاحب معزز جو غالب کے ایک نامور رشتہ دار ہیں تشریف نہ لا سکے۔ لیکن اس کی تلافی لائق ماہر غالبیات جناب مالک رام صاحب کی تشریف آوری سے ہوگی۔ جشن غالب کی تقاریب کو کامیاب بنانے کے لئے میں نے جناب بے وی نرسنگ راؤ صاحب صدر مالیہ کمیٹی اور جناب عابد علی خاں صاحب معتمد غالب صدی کمیٹی نے امکان بھر کوشش کی کہ غالب صدی کی تقاریب شایان شان طور پر منائی جائیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مجلس انتظامی، مالیہ کمیٹی اور دوسری ذیلی کمیٹیوں کے جلسے اردو ہال حمایت نگر حیدرآباد میں منعقد ہوئے پروگرام بنائے گئے۔ اخراجات کا تخمینہ کیا گیا اور رقم فراہم کرنے کی تدابیر سوچی گئیں۔

حیدرآباد میں غالب صدی تقاریب کا آغاز مشاعرہ فیض سے کیا گیا جو ۱۰ نومبر ۱۹۶۸ء کو سروجنی دیوی ہال میں منعقد ہوا تھا۔ غالب صدی کی اہمیت کے پیش نظر اس خاص محفل شعر میں شرکت کے لئے ہندوستان کے دوسرے حصوں سے ممتاز شعراء مدعو کئے گئے اور مقامی ممتاز اہل سخن نے بھی اس مشاعرہ میں حصہ لیا۔ فیض احمد فیض جو پاکستان میں رہتے ہیں اتفاق سے ان دنوں ہندوستان آئے ہوئے تھے ان کو اس مشاعرہ میں شریک کیا گیا۔ فیض صاحب کو حیدرآباد بلانے میں کئی رکاوٹیں پیش آئیں لیکن معتمد غالب صدی کمیٹی جناب عابد علی خاں صاحب نے جیسے قسم کھا رکھی تھی کہ غالب کی پہلی تقریب بہر صورت غیر معمولی طور پر کامیاب ہو۔ چنانچہ موصوف نے غیر معمولی کوشش کر کے فیض صاحب کو حیدرآباد بلوانے میں کامیابی حاصل کی۔

حیدرآباد میں غالب صدی کی دوسری تقریب ۱۵ فروری ۱۹۶۹ء کو منائی گئی۔ اس روز اردو ہال حمایت نگر میں ادبی اجلاس ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا جس کا افتتاح جناب محمد احمد انصاری پرو چانسلر جامعہ عثمانیہ نے کیا۔ اس موقع پر جناب بدرالدین طیب جی صاحب سابق وائس چانسلر علی گڑھ یونیورسٹی، ڈاکٹر حسینی شاہد پرنسپل اردو آرٹس کالج حیدرآباد، جناب "ظ" انصاری اور جناب ضیاءالدین احمد صاحب شکیب کی تقریریں ہوئیں۔ درگاہ یوسفین میں غالب کے ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی ہوئی اور ختم قرآن پاک کی مجلس ہوئی اور حیدرآباد میں ابدی نیند سونے والے شعراء 'امیر مینائی'، 'داغ دہلوی'، 'نظم طباطبائی'، 'جلیل'، 'امجد'، 'صفی' اور شاد صدیقی مرحوم کی قبروں پر بھی پھول چڑھائے گئے۔

رات کے ۹ بجے شب غالب کا پروگرام گاندھی بھون میں پیش کیا گیا جس میں جناب بدرالدین طیب جی صاحب نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی۔ جناب ... ڈپٹی صاحب

ریاستی وزیر اطلاعات اس اجتماع کے صدر تھے۔ جناب حمایت اللہ صاحب نے جو اس پروگرام کے کنوینر تھے، موسیقی کے اس پروگرام کے انتظامات بڑے سلیقہ سے کئے تھے۔ بمبئی کے مشہور پلے بیک فن کار مبارک بیگم نے غالب کی غزلیں پسندیدہ انداز میں پیش کیں۔ اس کے علاوہ عارف رؤف اور عزیز احمد خاں وارثی نے بھی غالب کی غزلیں خاص انداز میں پیش کرکے داد حاصل کی۔

یکم مارچ ۱۹۷۹ء کو صبح میں اسٹیٹ سنٹرل لائبریری میں نمائش غالبیات کا افتتاح عمل میں آیا اسمیں نادر و کمیاب مخطوطات بھی پیش کئے گئے تھے نیز ایک نہایت نادر چیز غالب کے ہاتھ کا لکھا ہوا قصیدہ رکھا گیا تھا جو نواب مختار الملک سالار جنگ اول مدار المہام حیدرآباد کی مدح میں ہے۔ اس نمائش کے لئے کئی نادر اشیاء صرف کثیر سے انشورڈ کرا کر لائی گئی تھی۔

نمائش کا افتتاح جیسا کہ آپ کو علم ہے جناب یونس سلیم صاحب مرکزی نائب وزیر اوقاف نے کیا۔ ڈاکٹر حسینی شاہ اس نمائش کے کنوینر تھے اور جناب ٹی۔ وی۔ رضیا لائبریرین اسٹیٹ سنٹرل لائبریری کے اہتمام سے نمائش "غالبیات" کا انعقاد ممکن ہوسکا۔

یکم مارچ کو ۵ بجے شام رویندر بھارتی میں غالب صدی تقاریب کا اجلاس عام ہوا اسکی صدارت نواب معظم جاہ بہادر نے کی جس میں گورنر چیف منسٹر اور ممتاز دانشوروں نے ملک کے عظیم شاعر کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ ادیب محترم جناب مالک رام صاحب ہماری دعوت پر یہاں تشریف لے آئے موصوف نے غالب پر جو گرانقدر کام کیا ہے اس سے ادبی دنیا خوب واقف ہے۔

مذکورہ تاریخ کو رات میں "نذر غالب" کا پروگرام پیش کیا گیا جس کی صدارت جناب یونس سلیم صاحب نائب وزیر قانون اوقاف نے کی۔ اس جلسہ کے مہمان خصوصی ڈاکٹر لنگیہ تھے جنہوں نے اردو فارسی کے شہرہ آفاق شاعر کو زبردست خراج عقیدت و تحسین پیش کیا۔ اس رنگا رنگ تقریب میں بمبئی کے مشہور میوزک ڈائرکٹر جناب خیام صاحب اور ان کے شرکاء کار جنہوں نے غالب کے کلام کو نغماتی روپ کو پیش کرنے میں خصوصی امتیاز حاصل کیا ہے۔ نمایاں حصہ لیا۔ اور ان کے علاوہ عارف رؤف اور عزیز احمد خاں وارثی نے اس پروگرام کو کامیاب بنایا۔

بتاریخ ۲ مارچ ۱۹۷۹ء ۱۰ بجے دن اردو ہال میں ایک ادبی اجلاس ماہر غالبیات جناب مالک رام صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا اسمیں پنڈت نارائن ملا اور مسٹر یونس سلیم نائب وزیر قانون و اوقاف، پروفیسر جناب آغا حیدر حسین مرزا صاحب دہلوی نے بھی تقریر فرمائی۔ نیز ڈاکٹر حفیظ قتیل اور پروفیسر زینت ساجدہ کی تقریریں بھی دلچسپی سے سنی گئیں۔

آپ کو یہ معلوم کرکے خوشی ہوگی کہ آندھرا پردیش میں تلگو کے ادیبوں اور دانشوروں کو بھی غالب سے عقیدت و دلچسپی ہے چنانچہ غالب کی منتخب غزلوں کا کئی سال پہلے شری داشرتھی ترجمہ پیش کرچکے ہیں۔ اس سلسلہ میں ۲ مارچ سہ پہر کو شام میں ۶ بجے بمقام تلگو لائبریری سلطان بازار غالب کے فکر و فن کے بارے میں ایک تلگو ادبی اجلاس ڈاکٹر سی نارائن ریڈی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس کے کنوینر آندھرا پردیش ساہتیہ اکیڈیمی کے سکریٹری ڈاکٹر ڈی راما راؤ تھے۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر دیم سنگھ نیل اور شری اے کرشنا مورتی نے غالب کی شخصیت اور شاعری کے تعلق سے اپنے خیالات پیش کئے۔ یہ انکشاف باعث دلچسپی ہوگا کہ اس جلسہ میں (۵۰۰) سے زائد افراد شریک تھے، مسٹر داشرتھی نے صرف جلسہ کو مخاطب کیا بلکہ انہوں نے غالب کی بعض غزلوں کا منظوم ترجمہ بھی پیش کیا۔

ڈاکٹر نرمل نے اپنی تقریر میں غالب کے کلام کے تلگو ترجموں اور غالب کی مقبولیت پر روشنی ڈالی۔

اس موقع پر یہ عرض کروں تو بے محل نہ ہوگا کہ ہندوستان اور بیرون ہند غالب سے متعلق جو مضامین نظر سے گذرے ان سے اندازہ ہوا کہ:-

پوچھتے ہیں کہ غالب کون ہے
کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا

اس کا جواب خود ہی خود ان ہی سے سن لیجئے:-

غالب نام آورم نام و نشانم مپرس
ہم اسداللہم و ہم اسداللہیم

چنانچہ حال ہی میں ایک ایرانی پروفیسر لطف علی صورتگر اور ایک روسی پروفیسر دہلی آئے تھے۔ امریکہ نے بھی دو اردو ادیب و دانشور ہارورڈ اور وسکنسن یونیورسٹی سے آئے ہیں جو ہندوستان کا دورہ کرنے کے بعد لاہور و کراچی سے ہوتے ہوئے امریکہ جائیں گے اور ڈاکٹر

ANEMARIE SCHIMMEL

ہارورڈ یونیورسٹی سے آئی ہیں۔ ڈاکٹر موصوفہ ایک خاص تحقیقات کر رہی ہیں جس کا عنوان ہے "انسان کے مذہب میں غالب کا مقام"۔ میرا خیال ہے کہ حضرت غالب کو علم فلکیات سے بھی دلچسپی تھی چنانچہ ان کا یہ شعر اس پر دلالت کرتا ہے۔

تھی بنات النعش گردوں دن کو پردے میں نہاں
شب کو ان کے جی میں کیا آئی کہ عریاں ہوگئیں

یہ ضروری نہیں ہے کہ شاعر اپنے تصور کے دوران ان مسائل کے اسباب و علل پر بھی روشنی ڈالے جن کو حقائق سے مربوط کر رہا ہے۔ لیکن

INTER STELLAR SPACE

"بین السیاراتی فضا" کا جو تصور اس شعر میں

منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سے پرے ہوتا کاش کے مکاں اپنا

میں پیش کیا گیا ہے۔ اس سے حضرت غالب کی قوت تخیل کی ایک سو سال پہلے کیا پرواز تھی پتہ چلتا ہے

کوکبم را در عدم اوج قبولے بودہ است
شہرت شعرم بگیتی بعد من خواہد شدن

بتاریخ ۲ مارچ ۱۹۷۹ء ۹ بجے شب غالب صدی کی آخری تقریب ایک کل ہند مشاعرہ کی صورت میں منعقد کی گئی جس کی صدارت پنڈت آنند نارائن ملا رکن پارلیمنٹ نے کی اور مہمان شعراء نے کنور مہندر سنگھ بیدی سحر، زبیر رضوی، مظفر شاہجہاں پوری اور جاں نثار اختر نے کلام سنایا اور اس محفل میں ممتاز میزبان شعراء نے بھی حصہ لیا جیسے پرنس تقی علی خاں ثاقب، مخدوم محی الدین، حیرت بدایونی، سعید شہیدی اور خود جناب صدر قابل ذکر ہیں۔

اس جشن کو جیسے جشن اردو کہا جائے بیجا نہ ہوگا اسکی کامیابی کے لئے جناب جے وی نرسنگ راؤ صاحب اور جناب یونس سلیم صاحب نے جو دلچسپی لی ہے اس کا ذکر نہایت ضروری ہے ان دونوں حضرات کے تعاون کے بغیر اتنا بڑا جلسہ منعقد کرنا ممکن نہ تھا۔

ارکان استقبالیہ کی تعداد (۱۰۰) تھی جس سے (۱۰۹۰) روپیہ وصول ہوئے ۲۸ فروری کے شب غالب اور یکم مارچ کے نذر غالب سے علی الترتیب (۳۳۲۸) اور (۱۱۳۳) روپے وصول ہوئے۔ ۲ مارچ کے مشاعرہ سے ۱۰۸۶ روپے وصول ہوئے۔ علاوہ ازیں سووینیر بھی شائع کیا گیا جس میں (۳۱۲۵) روپے کے اشتہارات ۔ تمام حسابات چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ کی باضابطہ تنقیح کے بعد ان کی رپورٹ کے ساتھ جلد ہی شائع کئے جائیں گے۔ یہ امر بھی باعث مسرت ہے کہ غالب صدی تقاریب کے موقع پر ادبی ٹرسٹ حیدرآباد نے ضیاء الدین شکیب صاحب کی کتاب "غالب اور حیدرآباد" بھی شائع کی گئی۔ انجمن ترقی اردو کے زیر اہتمام فرحت میموریل سوسائٹی میں غالب تحریری مقام کا مقابلہ کیا گیا تھا۔ مسٹر حبیب الدین کا مضمون سب سے اچھا قرار پایا۔ مضمون نگار صاحب کو سوسائٹی کی جانب سے مبلغ ایکسو روپیہ بطور انعام افتتاحی اجلاس کے موقع پر صدر جلسہ عالیجناب نواب معظم جاہ بہادر کے دست مبارک سے عطا کیا گیا۔

ڈاکٹر ناظم مرزائی

مشاعرہ کا آنکھوں دیکھا حال

مشاعرہ غالب

غالب صدی کی ایک یادگار تقریب

غالب صدی تقاریب کمیٹی کے زیر اہتمام حیدرآباد میں جشن غالب کی تقاریب ۱۶ مارچ کو رات کے ایک بجے نمائش میدان پر ایک یادگار کل ہند مشاعرہ پر اختتام کو پہونچیں۔ پنڈت آنند نرائن ملا رکن پارلیمان نے جو مرکزی غالب صدی تقاریب کمیٹی کے نائب صدر ہیں اس عظیم الشان مشاعرہ کی صدارت کی۔ کنوینر مشاعرہ مسٹر شاذ تمکنت نے معتمدی کے فرائض نہایت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دئے جہاں شعراء اور مقامی شعراء کا تعارف کبھی نثر میں اور کبھی شعر کے ذریعہ کروایا۔ شاذ کی کامزی سے سامعین محظوظ ہو رہے تھے گزشتہ تجربوں کے پیش نظر منتظمین مشاعرہ نے مشاعرہ میں گرمی پیدا کرنے کے لئے شعراء کی نشست کو سامعین کے برابر رکھا جس سے شعراء اور سامعین میں ایک قسم کی ہم آہنگی پیدا ہو گئی تھی۔ صدر مشاعرہ کی نشست کے عقب میں مرزا غالب کی ایک قد آدم تصویر تھی۔ تصویر کے اطراف چھوٹے چھوٹے قمقمے نہایت ہی سلیقہ سے لگائے گئے تھے۔ مشاعرہ گاہ سخن فہم سامعین سے بھرا ہوا تھا۔ خواتین کے لئے علیحدہ نشستوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس یادگار مشاعرہ میں مہمان اور مقامی شاعروں نے کھل کر اپنا کلام سنایا۔ مشاعرہ میں بلا لحاظ مذہب و ملت اردو کے پرستاروں نے مرزا غالب کو خراج عقیدت پیش کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مشاعرہ کا آغاز صدر مشاعرہ پنڈت آنند نرائن ملا کی تقریر سے ہوا۔ ملا صاحب نے اپنی تقریر میں کہا کہ اردو صرف ایک زبان ہی نہیں، اردو ایک مزاج، ایک تہذیب اور رواداری کا پیام بھی ہے۔ آج کل کے مشاعروں پر روشنی ڈالتے ہوئے صدر مشاعرہ نے کہا کہ اگر مشاعروں میں صرف اپنی پسند ناپسند اور گروہ بندی کی اساس پر شعراء اور سامعین داد دیں تو اس سے اردو کے محاذ کو سخت نقصان پہونچے گا۔ انہوں نے بالخصوص سامعین سے اپیل کی کہ وہ شعراء کی ہمت افزائی کے لئے کسی قسم کا کوئی شور و ہنگامہ نہ کریں۔

کنوینر مشاعرہ شاذ تمکنت نے اپنی ایک غزل سے مشاعرہ کا آغاز کیا غزل کے دو شعر پیش کئے جاتے ہیں۔

ہماری آرزو کیا تھی سکوت سنگ تھا گویا
ہزاروں حرف زادہ ناتراشیدہ ہے پیرایا
ہمیں کیا ہو گیا تھا روز و شب جو صبح کے لئے تھے
کہیں کیا شاذ اب اس سے کہ رنجیدہ ہے پھول

شاذ نے بام ثریا پر مہرتاباں کی آمد کا مژدہ سنایا یعنی ایک ابھرتی ہوئی جواں سال شاعرہ ثریا مہر نے ترنم میں اپنی غزل کا مطلع پیش کیا۔

معقول بھی ہوئیں جو دعائیں تو کیا کریں
گر معاف ہو گئی ہیں خطائیں تو کیا کریں۔

اب مقطع بھی سن لیجئے۔

ویسے تو دل کا کوئی ارادہ نہ تھا مہر
گستاخ ہو گئی تھیں نگاہیں تو کیا کریں

آپ کے جانے پہچانے جواں سال شاعر صلاح الدین نیر مائک پر آ رہے ہیں۔ نیر نے غالب ہی کی زمین میں ایک غزل پڑھی، غزل کے دو شعر۔

ارزاں تو اسقدر نہ تھا انسان کا لہو
تم کہہ رہے ہو شہر میں قاتل نہیں رہا
تم مصلحت شناس تھے سمجھوتہ کر چکے
شاذ میں دشمنی کے قابل نہیں رہا

نیر درخشاں کی تابانیاں ختم ہوئیں شاذ تمکنت نے جب انور افسر سے قومی یکجہتی پر لکھی نظم "چار مینار" پڑھنے کی خواہش کی۔ نظم خوب تھی، داد بھی خوب ملی۔ نظم کا پہلا بند ملاحظہ کیجئے۔

چار مینار کے شہر میں رہنے والو
چار مینار کا مطلب کیا ہے
ایک مینار ہے اخلاص کا عنوانِ سبق
دوسرا جذبہ اخلاق و مروت کا نشاں
تیسرا مطلب احساس رواداری ہے
چوتھا مینار اشارہ ہے سرفرازی کا

شاذ نے اوج یعقوبی صاحب سے غزل سنانے کی فرمائش کی۔ اوج ڈوب کر شعر کہتے ہیں ملاحظہ کیجئے۔

آپ زلفوں کو سنواریں کہ پریشاں رکھیں
ہونے والے تو ہر حال پریشاں ہوں گے
غم مرتب ہو تو سنجیدگی آ جاتی ہے
ورنہ دنیا میں کئی چاک گریباں ہوں گے

اوج یعقوبی صاحب کی غزل ختم ہوئی اب رئیس اختر مائک کو سنبھال لیا ہے غزل پڑھ رہے ہیں ملاحظہ کیجئے۔

زندگانی تری عظمت کو بڑھانے والے
مسکراتے ہوئے مقتل سے گزر جاتے ہیں
اپنی پلکوں پہ سجائے ہوئے اشکوں کے چراغ
کچھ تو بتلاؤ رئیس آپ کدھر جاتے ہیں

شاذ تمکنت نے محترمہ سعادت جہاں صاحبہ سے کلام کی فرمائش کی۔ سعادت جہاں نے غزل پڑھی۔ آپ بھی کچھ لطف اٹھائیے۔

عزم سفر کے ساتھ ہیں منزل کے فاصلے
کیا آپ کا خدا ہے تمہارا خدا نہیں
گھبرا گئے ہیں گردش شام و سحر سے ہم
دل بجھ گیا چراغ تمنا بجھا نہیں

غزل ختم ہوئی منتظم مشاعرہ نے ایک نوجوان شاعر جو آجکل دلی میں بس گیا ہے۔ مگر وہ حیدرآبادی کہلاتا ہے۔ زبیر نے ایک غزل سنائی ملاحظہ ہو۔

سارا منظر ہے اجنتا کی گپھاؤں کی طرح
لڑکیاں شہر میں پھرتی ہیں گھٹاؤں کی طرح
لیجئے یوں نظر نہ چندا سا بدن راہوں میں
رات بے رحم ہے قاتل کی جفاؤں کی طرح
شہر در شہر ہے کھنچتے ہوئے صحرا کا سماں
تم برس جاؤ مرے دل پہ گھٹاؤں کی طرح
سنتے ہیں ختم ہے اب ان پہ ہر اک مشق ستم
وہ جو تھے کبھی ہم سے وفاؤں کی طرح

لیجئے اب آ رہے ہیں ابن احمد تاب یہ پڑھتے بھی خوب ہیں اور کہتے بھی خوب ہیں۔ غزل پڑھ رہے ہیں۔

حرم کی دیر کی راہوں پہ چل تو سکتے ہیں
مگر نصیب کہاں تیری رہگذار ابھی
نہ کر لباس سے اسے دوست غم کا اندازہ
کہ بزم میں کئی چہرے ہیں وضعدار ابھی

شاذ نے نوجوان شاعر ناصر کرنولی سے درخواست کی کہ وہ مائک پر تشریف لائیں۔ ناصر کرنولی نے مرزا غالب پر رباعیات پیش کیں۔ جن پر شائقین نے پسندیدگی کی مہر ثبت کی۔ آپ بھی ملاحظہ کیجئے۔

شہرت کا کبھی رہا نہ طالب غالب
اردو ہے اگر روح تو قالب غالب
جب ڈھونڈیں گے معیار ادب کو نقاد
تاریخ پکار اٹھی کہ غالب غالب

دوسری رباعی

ہر ناز تجھے کیوں نہ ہو زیبا غالب
تو معنی و مفہوم کا دریا غالب
یاں محفل اردو میں اندھیرا ہو گا
بجھے گا مگر تیرا ستارا غالب

شاذ تمکنت نے جدید غزل کے نمائندہ شاعر جناب خورشید احمد جامی سے کلام سنانے کی خواہش کی۔ جامی نہ صرف اچھے شاعر ہیں بلکہ شاعرگر بھی ہیں۔ جامی صاحب نے ایک غزل سنائی، کچھ شعر ملاحظہ خدمت ہیں۔

قبروں پہ لگائے ہوئے کتبے تو نہیں ہیں
ہر سنگ پہ کیوں ایک سی تحریر لکھی ہے
اس عمر کے بچھڑے ہوئے احباب کو جیسے
یوں راہ میں زخموں سے ملاقات ہوئی ہے

شاذ نے آصفجاہی خاندان کے ایک چشم و چراغ پرنس نقی علی خاں ثاقب سے اپنا کلام سنانے کی فرمائش کی۔ پرنس ثاقب نے ایک غزل پڑھی شعر خوب تھے۔

اک کوزہ صورت جو پھرتی ہے شب کی ویرانی
جو آفتاب نہیں آفتاب جیسا ہے
ترے خیال کو چھوتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں
ترا خیال تو بالکل گلاب جیسا ہے

پرنس ثاقب کی غزل ختم ہوئی۔

لیجئے اب آرہے ہیں آپ کے پسندیدہ شاعر سعید شہیدی، سعید غزل کہتے ہیں۔ سعید کی ہر غزل میں برق و آشیاں کا تذکرہ لازم و ملزوم ہے ملاحظہ کیجئے!

ساتھ کس جگہ چھوڑا تو نے طاقت پرواز
سامنے نشیمن ہے اڑ کے جا نہیں سکتے
اپنے کارنامے پر برق یوں اکڑتی ہے
جیسے آشیانہ ہم پھر بنا نہیں سکتے

غزل مرصع تھی دلدادگان شعر محظوظ ہو رہے تھے، ٹھیک رات کے ۱۱ بجے جاں نثار اختر فلک شعر پر ضوفشانیاں کرنے لگے۔ ہر طرف سے فرمائشیں شروع ہوگئیں۔ جاں نثار اختر نے شاذ تمکنت کی فرمائش پوری کرتے ہوئے ایک نظم سنائی جس کا عنوان تھا "آخری ملاقات" سامعین لطف اٹھا رہے تھے اور اختر بھی مست و بیخود پڑھتے جاتے تھے۔ نظم طویل تھی تنگئی کالم کی وجہ سے صرف ایک ابتدائی بند پیش کر رہا ہوں

مت روکو انہیں پاس آنے دو، یہ مجھ سے ملنے آئے ہیں
میں خود نہ جنہیں پہچان سکوں کچھ اتنے دھندلے سائے ہیں
مت روکو انہیں پاس آنے دو

جاں نثار اختر کی نظم ایک دوشیزہ کی انگڑائیوں کی طرح مجسم خوبصورت تھی سامعین خیال و خواب کی دنیا میں کھوئے ہوئے تھے کہ فیض الحسن خیال مجسم خیال بنے ہوئے مائک پر ہویدا تھے غزل سنائی دو شعر

جس کی ہر رنگ کا پھول کی انگڑائی تھا
اب انہیں حال گلستاں نہ سناؤ یارو
زندگی بکنے چلی آئی ہے بازاروں میں
اس جنازے کے بھی کچھ دام لگاؤ یارو

خیال کی خیال آرائیوں کے بعد خلیل صاحب نہایت ہی وقار کے ساتھ مائک پر تشریف لائے۔ وقار نے ایک غزل پڑھی۔

رخسار آرزو کے اجالوں کے اس پاس
کتنی ہی حسرتوں کا دھواں ساتھ ساتھ ہے
کشمیر ہو کہ دکن ہو کراچی ہو کہ لکھنؤ
اک رشتۂ خلوص زباں ساتھ ساتھ ہے

اب مائک پر تشریف لا رہے ہیں آپ کے جانے پہچانے شاعر خیرات ندیم۔ غزل پڑھی ملاحظہ ہو مطلع اور مقطع۔

یوں حدیث غم دل آج بیاں ہوئی ہے
وہ جو سنتے ہیں تو ہر سانس زباں ہوئی ہے
آج جو بات بھی کرتا ہوں اشارہ میں ندیم
کل وہی بیسیل کے روداد جہاں ہوتی ہے

خیرات ندیم کی غزل ختم ہوئی۔ شاذ تمکنت نے مہمان شاعر جناب کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کے نام کا اعلان کیا سامعین سراپا گوش ہوگئے بیدی صاحب نے ایک قطعہ میں غالب صاحب کو خراج عقیدت پیش کیا۔ اس کے بعد نظم پیش کی جو انہوں نے صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین کی مدح میں لکھی تھی نظم کا ایک نامکمل بند پیش کر رہا ہوں ملاحظہ کیجئے۔

تیری فطرت ہے گو ہندو کا ایثار مگر
ابن مریم کا مقلد ترا کردار مگر
رام اور کرشن سے سچّے ہیں پیار مگر
بادۂ حب محمد سے بھی سرشار مگر

نظم میں، میں کچھ ایسا کھو گیا تھا کہ یہ بھی بھول گیا کہ مجھے کچھ لکھنا ہے قلم رکھ کر صرف سنتا اور سر دھنتا رہا۔ بیدی صاحب نے ایک غزل بھی سنائی ملاحظہ ہو۔

ان خوش خرام حسینوں کی نرالی ہے ادا بھی
بت ہیں کہ سمجھتے ہیں کہ جیسے ہیں خدا بھی
گھبرا کے اٹھی ہے میری بالیں سے قضا بھی
جاں بخش ہے کتنی ترے دامن کی ہوا بھی

بیدی کی غزل ختم ہوئی شاذ تمکنت نے آپ کے پسندیدہ شاعر جناب طالب رزاقی صاحب سے کلام سنانے کی فرمائش کی طالب رزاقی غزل کی زبان میں حالات حاضرہ کا خوب جائزہ لیتے ہیں آواز میں درد ہے، پڑھنے کا انداز ہی کچھ اور ہے۔ طالب غزل سنا رہے ہیں۔

کارواں سے کیوں رہبر دور دور چلتا ہے
کیا ادھر سے مقتل کا راستہ نکلتا ہے
فرقتوں میں گم ہو کر آپ بھول بیٹھے ہیں
غم کے ایک آنسو میں انقلاب ملتا ہے

شاذ نے آنے والے شاعر کا تعارف یوں کروایا کہ سامعین نے پر جوش تالیوں سے اپنے محبوب شاعر کا خیر مقدم کیا ہے "مخدوم صاحب مائک پر تشریف لا چکے ہیں اعلان کیا کہ وہ ایک تازہ نظم سنائیں گے جس کو انہوں نے لال قلعہ کے کل ہند مشاعرہ میں پڑھی تھی۔ جو غالب صدی تقاریب کے سلسلہ میں منعقد ہوا تھا۔ آپ بھی نظم کا کچھ حصہ ملاحظہ کیجئے۔

تم جو آجاؤ آج دلّی میں
یاد گے خود کو اجنبی کی طرح
تم بھٹکتے پھرو گے رستوں میں
ایک بے چہرہ زندگی کی طرح
پنجہ زرگری و زرگیری
عام ہے رسم رہزنی کی طرح
آج ہر میکدہ میں ہے کہرام
ہر گلی ہے تری گلی کی طرح
وہ زباں جس کا نام ہے اردو
اٹھ نہ جائے کہیں خوشی کی طرح

سامعین نے بے حد داد دی، نظم بیحد پسند کی گئی۔ شاذ تمکنت نے مسکراتے ہوئے غالب کا ایک مصرعہ پڑھا

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو

مصرعہ سنتے ہی دلدادگان سخن نے اعلان کردیا کہ علامہ حیرت تشریف لا رہے ہیں۔ علامہ حیرت نے غزل سنانے سے قبل ارشاد فرمایا کہ غالباً میں نے یہ سمجھا تھا کہ غالب کے مشاعرہ میں غالب ہی کی زمین میں شعر پڑھے جائیں گے علامہ نے غالباً کی توضیح ان الفاظ میں کی کہ آپ غالباً کو غالب کی مونث سمجھ لیں گے ساری محفل قہقہوں میں تبدیل ہوگئی۔ علامہ نے غزل غالب ہی کی زمین میں سنائی ملاحظہ ہو

انوار سحر کے ہوں کہ شب ہجر کی ظلمات
ہر رنگ میں تم ہوتے ہو گویا مرے آگے
رحلت کے یہ سو سال گذرنے پہ بھی غالب
اس بزم میں اس وقت ہے زندہ مرے آگے

علامہ حیرت نے پروفیسر آغا حیدر حسین صاحب کے تعلق سے فرمایا ہے۔

بے شعر و ادب غالب مرحوم کی اک روح
اور شکل میں "حیدر حسن آغا" مرے آگے

علامہ کی غزل کے اختتام پر جناب منظور احمد صاحب مائک پر تشریف لائے اور ایک غزل پڑھی منتظم مشاعرہ نے علامہ تاج قریشی صاحب سے درخواست کی کہ وہ اپنا کلام سنائیں۔

ایک غزل پڑھی ملاحظہ ہو۔

از قنبر علی ہمتی

سلام

ای مظہرِ ذاتِ حق ازمات سلام اللہ ای نورِ صفاتِ حق ازمات سلام اللہ

ای حاکمِ جانِ ما ای روحِ روانِ ما ای نوحِ زمانِ ما ازمات سلام اللہ

ای جانِ ہمہ عالم ای فخرِ بنی آدم ای اول و ای خاتم ازمات سلام اللہ

تو محورِ افلاکی از وصف و صفت پاکی عیاری و چالاکی ازمات سلام اللہ

ہم روحی و ہم نوری ہم موسی و ہم طوری ہم ناصر و منصوری ازمات سلام اللہ

تو قطبِ زمینتی بر خلق معینتی ہم رہبرِ دینتی ازمات سلام اللہ

من مدحِ تو میگویم من وصلِ تو میجویم بنما نظری سویم ازمات سلام اللہ

ہم شاہِ کبیری تو ہم بدرِ منیری تو ناگفتہ خبیری تو ازمات سلام اللہ

ای آنکہ کنی خون شیر بر شیر نہی زنجیر دستِ منِ بیکس گیر ازمات سلام اللہ

دیدارِ تو را بہتر از شاہی بحر و بر جامی بدہ از کوثر ازمات سلام اللہ

تا چند کنم زاری تا چند کشم خواری در خواب و بیداری ازمات سلام اللہ

سرگشتہ و حیرانم چون چغد بویرانم ہستی تو سلیمانم ازمات سلام اللہ

از عشقِ تو می بالم وز ہجرِ تو می نالم نو کن تو پر و بالم ازمات سلام اللہ

من بے سر و سامانم من بیکس بی جانم یک جامِ تو خواہانم ازمات سلام اللہ

ای پادشہ بیچون یکقطرہ می گلگون افکن تو برین محزون ازمات سلام اللہ

جانم دہ و زورم بین جانم دہ و شورم بین نورم دہ و سورم بین ازمات سلام اللہ

برگشت بتن جانم چون شیر خروشانم خوشحالم و خندانم ازمات سلام اللہ

ای روشنی دیدہ ای نورِ پسندیدہ حق جسمِ تو بگزیدہ ازمات سلام اللہ

کردی تو عطا گنجم بردی بخدا رنجم در پوست نمی گنجم ازمات سلام اللہ

نورم بدلم افتاد از شوق زنم فریاد کردی تو روانم شاد ازمات سلام اللہ

عشقت بدلم زد تیر سرمست شدم چون شیر تک پارہ کنم زنجیر ازمات سلام اللہ

نہ نخوت و شم من زینبعد خموشم من چشم ستم و گوشم من ازمات سلام اللہ

دیگر نہ کنم مستی دست و دہنم بستی دہ دہ چہ زبر دستی ازمات سلام اللہ

من بندۂ سلطانم جویندۂ سلطانم شرمندۂ سلطانم ازمات سلام اللہ

ای اعظم و ای اکبر وی بر دو جہان سرور بخشا گنہِ قنبر ازمات سلام اللہ

از:- آغا علی موسیٰ رضا باجر

اَنَا وَعَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ

میں اور علیؑ ایک ہی نور سے ہیں

مقام نبی پر وصی سو رہے ہیں ۔ زمانہ یہ سمجھا نبی سو رہے ہیں
رسالت امامت میں گر فرق ہوتا ۔ تو کفار کہتے علی سو رہے ہیں

ہے نور خدا اور محمد کے بھائی ۔ خدا نے عطا کی ہے جن کو خدائی
نجف جا کے دیکھو فضائے تقدس ۔ جہاں ہر قدم پر ہے معجز نمائی

نجف گوہر بے بہا کا صدف ہے ۔ علی کے قدم سے وہ باب شرف ہے
وہ مولود کعبہ کی آرام گاہ ہے ۔ نجف ہے مدینہ مدینہ نجف ہے

بَرَزَ الْاِیْمَانُ کُلُّہٗ عَلَی الْکُفْرِ کُلِّہٖ

کلِ ایمان کلِ کفر کی طرف جا رہا ہے

ایمان کل کہو کہ خدا کا ولی کہو ۔ خندق کی جنگ کہتی ہے اسکو جری کہو
مرحب سے پوچھو کون مقابل پہ آگیا ۔ خیبر پکارتا ہے کہ نادعلی کہو

اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا

میں علم کا شہر ہوں اور علی اسکا دروازہ ہیں

وہ بابِ علم نکتہ شرح ہدا کہو ۔ سیرت نبی کی مکمن روئے خدا کہو
میں شہر علم ہوں تو علی اسکا باب ہے ۔ یہ قول مصطفےٰ ہے اسے برملا کہو

جو علم لدنی کے حامل علی ہیں ۔ یقین ہو کہ ایمان کامل علی ہیں
یداللہ علی ہیں وجہ اللہ علی ہیں ۔ خدائی کے مظہر و حاصل علی ہیں

مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ

خدا کی خدائی میں یکتا علی ہیں ۔ ولی خدا ہیں وصی نبی ہیں
نبی کا ہے فرماں کہ میں جسکا مولیٰ ۔ مری طرح ان کا یہ مولا علی ہیں

عید غدیر — جشن غدیر

نگاہ شوق پہ ساغر جو بے خودی کے چلے ۔ اچھوتی مے تھی جو حیا فتہ سی پی کے چلے
جھلس رہا تھی فضا برق زار تھا میدان ۔ مے غدیر جو پی مسکرائے جی کے چلے

حیات و موت میں ہے اختلاف سخت چلو ۔ در حبیب پہ اب آزمانے بخت چلو
نہ جانے پائے یہ موقع بھی ہاتھ سے باجر ۔ چلو چلو کہ ہے اب کے کشتی کا وقت چلو

ضرب علیؑ:

ضَرْبَةُ عَلِیٍّ یَوْمَ الْخَنْدَقِ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَیْن ترجمہ علیؑ کی ضربت خندق کے دن دونوں جہان کی عبادت سے افضل ہے

اسلام کی حیات کو ضرب علی کہو ۔ ضرب علی کو دین کی تابندگی کہو
زورِ خدا کہو کہ رجائے نبی کہو ۔ دست خدا کی ضرب کو حق آگہی کہو
نورِ نبیؐ و نورِ علیؑ ایک ساتھ ہیں ۔ ضرب علیؑ کو نور کی اک روشنی کہو
خندق کی ایک ضرب ہے بے مثل و بے نظیر ۔ اس ضرب بے مثال کو حق علیؑ کہو
سہما ہوا تھا عالم اسلام خوف سے ۔ ایسے میں کس نے دی تھی حقیقی خوشی کہو
آیا نہ کُلِّ کفر کے آگے کوئی مگر ۔ ایمانِ کُل ہی نکلا یا اٹھا کوئی کہو
اے خندقی یہ فکر و نظر کا مقام ہے ۔ ضرب علیؑ کو آیت سرّ خفی کہو
ہوشیار اب اے کفر عمر ابن عبدود ۔ ایمان کل ہے تیرے مقابل علیؑ کہو
اسلام کی حیات پہ جب آگئی تھی بات ۔ اس وقت کس کی ضرب نے دی زندگی کہو
ساری عبادتوں سے بھی افضل ہے ایک ضرب ۔ اس ضرب کو حقیقت سرّ جلی کہو
ثقلین کی عبادتیں رکھتی اہمیت ۔ لیکن نبی کا قول ہے ضرب علیؑ کہو

باجر ہر ایک گام پہ ہو احتیاط کہ
منکر کسی کے دین نبیؐ کو وصی کہو

ازکنزالعرفان مرشدی پیر غوثی شاہ رح

کنز مکتوم

(مثنوی مولانا روم و شرح حضرت بحرالعلوم رح)

بسلسلہ شمارہ جنوری ۱۹۷۹ء

ہر کسے از ظن خود شد یارِ من
از درون من نجست اسرارِ من

ہر کوئی یار اپنے حسب ظن بنا
پر نہ ڈھونڈا بھید میرے سینے کا

سرِ من از نالۂ من دور نیست
لیک چشم و گوش را آں نور نیست

بھید نالے سے الگ میرا نہیں
پر نور کان، آنکھ کو اس کا نہیں

اس قول میں ان کا ذکر ہے جنہوں نے محض ظاہری وابستگی کے ساتھ وفاداری حاصل کی ہے کہ طالبین سے ہر ایک نے اپنے گمان کے موافق یاری و ہمنشینی تو کی مگر باطن یعنی میرے دل میں جو اسرار تھے اس کا کھوج نہ کیا تاکہ اس کی یافت ہو اور میرا نالہ ان کے اسی باعث ہے اور وہ نالۂ قلبی ہے زبانی نہیں۔ جس کا سننا بغیر صفائی دل کے ناممکن کیونکہ صفائی قلب ہی سے مشاہدہ ہوتا ہے اور اس نفی سے سلب کلی مراد نہیں بلکہ ایجاب کلی کی نفی مراد ہے لہٰذا اس سے بعض اصحاب کے اسرار قلبی کی نفی نہ ہوگی اور حاصل دوسری بیت کا یہ ہے کہ میرا نالہ ایسا نہیں کہ حواس کو سنتے اس کے بھید سے غافل ہو البتہ آنکھ اور کان کو جو جسم سے وابستہ ہیں اس کے شعور کا نور نہیں کہ راز قلبی کو دیکھے اور سنے اس لئے کہ وہ ظاہری اس کے پانے سے غافل ہیں۔ اگرچہ مصرعہ میں دو حواس ہی کا ذکر ہے مگر اس سے تمام حواس جسمانی کے ادراک کی نفی مراد ہے اور بعضے نسخے میں چشم گوش بغیر واؤ معطوف کے یعنی کان کی آنکھ لکھی ہے اور کان سے یہی جسمانی کان مراد ہیں آنکھ کی شعار قوت سامعہ کے لئے لیا گیا اس سے یہ مراد تھی کہ قوت سامعہ میں اس راز کے سننے کا نور نہیں جس سے نالہ کے اسرار کو سمجھے لیکن اس معنی سے مصرعہ اول کا یہ مطلب ہوگا کہ میرا بھید میرے نالہ سے پوشیدہ نہیں ہے کیونکہ اس کے سننے سے بھید کا ادراک ہوتا ہے۔ شیخ افضل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اضافت اس نسخے میں بیانیہ ہے لیکن جب بھی اطلاق چشم کا گوش پر لازم ہے تو کسی وجہ سے درست نہیں اور محمد رضا نے کہا ہے کہ اس نسخہ میں اضافت گویا "دیدہ عین شنید" کی طرف اشارہ ہے شاید اضافت بیانیہ قرار دی ہو۔ جس کا حاصل یہ کہ چشم عین گوش ہے۔ تاہم یہ اشارہ مولوی قدس سرہ کے حسب مقصود نہیں کیونکہ دیدہ عین شنید جب ہوگا کہ حواس جسمانی عین حواس قلبی ہوں۔ اور سارے حواس رنگ وحدت میں شامل ہو جائیں کیونکہ اس حالت میں نور قلب کے ادراک کا نور ممکن ہے اس وقت چشم و گوش کو راز و نالہ کا ادراک نہ ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ یہاں تو یہ مقصود ہے کہ سر قلبی و نالۂ قلبی کا حواس جسمانی کو ہرگز ادراک نہیں اور یہ معنی اگرچہ بغیر اضافت کے بھی نکل سکتے ہیں لیکن اس نسخہ واؤ معطوف میں بخوبی ظاہر ہیں۔ اس لحاظ سے نسخۂ واؤ معطوف نسخۂ بلا اضافت

جو کہ محمد رضا رح نے گمان کیا ہے بہتر ہے اور یہ بھی معلوم کرنا چاہئے کہ شیخ افضل رحمۃ اللہ علیہ مصرعہ ثانی میں "از درون من نجست اسرار من" کو "بجست اسرار من" بائے موحدہ کے ساتھ اثبات کے لئے صحیح کیا ہے اور نتیجہ یہ بیان کیا کہ مصاحبین نے میرے احوال میرے باطن سے ڈھونڈے ہیں اس وجہ سے کہ میرا بھید میرے نالے سے پوشیدہ نہیں۔ بلکہ جو شخص کہ میرا نالہ سنتا ہے غالباً میرے بھید کو پاتا ہے اور شعر سابق میں نالے سے مراد نالۂ زبانی اور جمعیت سے مجلس مصاحبین مراد لی اور اس میں خواجہ عبیداللہ رح کے قول سے (اس طرح) مدد لی یعنی فرمایا کہ جو شخص اس جماعت کے ساتھ بیٹھے ان کی جمعیت و صحبت (دلی) سے خبردار ہونے کی کوشش کرے۔ اس کے بعد یہ تین جگہیں "من بہر جمعیتے" سے مذکورہ ابیات تک وارد فرمایا۔ درین بنا شیخ افضل رح کے یہ قول حضرت خواجہ قدس سرہ کا دلالت تام ہے اس پر کہ لفظ "بجست" صیغہ اثبات پر ہے اور یہ بات اہل فہم پر پوشیدہ نہیں کہ غلطی ہوئی ہے۔ شیخ افضل رح کی جو بیت سابق کے اخذ معنی میں کی۔ واضح ہے کہ بیت سابق میں نالے سے نالۂ قلبی مراد ہے تمام جمعیات کے ساتھ اور یہ اثبات کی نفی کے لئے موزوں ہے نہ کہ اثبات کے لئے۔ جو اہل ذوق پر مخفی نہیں کیونکہ مجرد صحبت سے سننا لازم نہیں آتا بلکہ ہر مصاحب کا سننا خلاف واقع ہے اس اعتبار سے بھید ڈھونڈھنے کا اثبات بطور ایجاب کلی کے خلاف واقع ہے اور حضرت خواجہ قدس سرہ کے کلام میں بھی اس شعر کے اثبات پر ہرگز ہرگز دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ مقصود خواجہ رح کا یہ ہے کہ ہمنشین اولیاء اللہ کو چاہئے کہ ان کے اسرار قلبی کو لینے کی کوشش کریں اور یہ اشعار ارشاد فرمائے کہ کاملوں کے دلوں میں پر اسرار نالے ہوا کرتے ہیں جس سے عموماً لوگ غافل ہیں لہٰذا ان نالوں کے سننے کی کوشش کرنی چاہئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تن زجاں و جاں زتن مستور نیست
لیک کس را دید جاں دستور نیست

تن سے جاں اور جاں سے تن پنہاں نہیں
پر کسی کو شوق دید جاں نہیں

یہ گذشتہ تمثیل ہے یعنی جیسا کہ جاں ہمراہ تن مگر آنکھ سے دیکھی نہیں جاتی ویسے ہی نالہ اور بھید جب تک باطن میں ہے حواس ظاہری سے ادراک میں نہیں آسکتا۔

آتش ست ایں بانگ نائی نیست باد
ہر کہ ایں آتش ندارد نیست باد

باد کب ہے آتش ہے نائی کی صدا
جو نہ رکھے آگ یہ وہ ہو فنا

بانگ نے سے انسان کامل مراد ہے لہٰذا نائی سے حق تعالیٰ مقصود ہے اس لئے انسان کامل کا نالہ حق تعالیٰ کا نالہ اس کی گویائی حق تعالیٰ کی گویائی ہے۔ کیونکہ یہ حق سے گویا ہے بلکہ تمام افعال اس کے افعال حق ہیں اور یہ اس کا آکر جیسا کہ قرب فرائض میں ثابت ہو۔ غرض مولانا قدس سرہ فرماتے ہیں کہ آواز انسان کامل آگ ہے کیونکہ اس کے قلب میں آواز حق ہے جیسا کہ بوقت مستی انسان کامل بایزید قدس سرہ نے فرمایا اِنّی أنا اللّٰہ فَاعْبُدْنِی یعنی میں اللہ ہوں میری عبادت کرو۔ یہ آواز اس وجہ سے آتش کہلاتی ہے کہ سننے والے کے دل میں اثر ہو اور سوزش عشق پیدا کرتی ہے۔

حاصل یہ کہ یہ ہوا نہیں جس میں سردی اور سستی کی خاصیت ہو بلکہ خود مصرعہ ثانی میں مجھ کو کے لئے دعا فرمائی کہ یارب جس میں یہ آگ نہ ہو اس کو وجود بشری سے خالی اور نیست کر تاکہ فنا اس میں بھی یہ آتش پیدا ہو۔

خیر النساء آخیر (دیو بعی نواب کلیانی)

حقیقتِ عید

کلامِ ربانی

(۱) اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور جو نیکی تم اپنی ذات کے لئے پہلے سے بھیج دو گے اسے اپنے خدا کے پاس پاؤ گے۔ بیشک خدا تمہارے کل اعمال کا دیکھنے والا ہے (سورہ بقر آیت ۱۱۰)

(۲) یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ تم اپنے منہ مشرق یا مغرب کی طرف کر لو، بلکہ حقیقی نیکی اسی کی ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور انبیاء پر ایمان لائے اور محبت خدا میں مال رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردنیں آزاد (غلام یا لونڈی کو آزاد) کرنے میں دے اور نماز پڑھے اور زکوٰۃ دے اور جب معاہدہ کریں تو اپنے عہد کو پورا کرنے والے ہیں ہوں۔ اور تنگدستی اور بیماری اور لڑائی کی سختی کے وقت صبر کرنے والے وہی لوگ ہیں جو سچا صادق ہیں۔ اور وہی لوگ متقی ہیں۔ (سورہ بقر آیت ۱۷۷)

(۳) اس نے یقیناً فلاح پائی جس نے پاک رہا اور اپنے پروردگار کے نام کو یاد کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا لیکن تم دنیا کی زندگی کو مقدم رکھتے ہو حالانکہ آخرت زیادہ اچھی ہے اور زیادہ باقی رہنے والی ہے

یہی مضمون پہلی کتابوں میں لکھا ہے یعنی ابراہیم اور موسیٰ کی کتابوں میں (سورہ اعلیٰ آیت ۱۴ تا آخر)

توضیح — تفسیر میں منقول ہے کہ جناب امام جعفر صادق سے قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ کا مطلب دریافت کیا گیا تو فرمایا جس شخص نے عید کے دن فطرہ نکالا اس کے لئے کہا گیا۔ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا اس سے یہ مطلب ہے کہ صحرا کی طرف نکل جائے اور نماز عید پڑھے ایک اور جگہ منقول ہے کہ بس صحیح نماز ہے کہ وہ محمد و آل محمد پر درود نہ بھیجا ہو یعنی جس طرح ہو روزہ بھی کامل نہیں ہوتا تا وقتیکہ فطرہ نہ دیں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ۔

حقوق المومن — سرکار دو عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی طرف سے مومن کے مومن پر سات حق ہیں۔

(۱) ہر مومن کا احترام اور اس کی زندگی کی نگہداشت۔

(۲) مومن کی محبت (۳) مومن کے مال کی حفاظت

(۴) مومن کی غیبت کو حرام جاننا (۵) مومن کی بیماری میں اس کی عیادت کرنا (۶) مومن کے جنازہ میں شرکت کرنا

(۷) بعد موت کے اس کا ذکر خیر کرنا۔

عید — عربی زبان میں عید کے معنی پلٹ کر آنا یا واپس آنے کے ہیں اور محاورہ میں عید سے وہ روز مراد ہے جس میں مدت سے لوگ خاص طور پر جمع ہو کر خوشی و مسرت کا اظہار

کرتے ہیں۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ عید انسانوں کا بہت ہی پرانا تہوار ہے۔ ہر زمانہ میں لوگ عید کے دن خوشیاں مناتے چلے آئے ہیں۔

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ جہالت اور بے علمی کسی چیز سے بھی انسان کو پورا فائدہ اٹھانے نہیں دیتی قبل اسلام اس دن کو قومی و ملی حیثیت سے کوئی خاص اہمیت حاصل نہ تھی تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ اگلے زمانے کے لوگ عید کے دنوں میں نہایت بری بری حرکتیں اور وحشیانہ افعال کیا کرتے تھے بجائے اس کے کہ اس عمدہ موقع پر قومی و ملی اصلاح اور فلاح کے کام کئے جائیں اور وہ لوگ اس دن کو اپنی جاہلانہ رسوم کی ادائی کا ایک بہترین موقع سمجھ کر اپنی فضیلت اور برتری دکھانے کے لئے استطاعت کے سوا قرض دام کر کے عمدہ بیش قیمت لباس پہنتے، لذیذ غذائیں کھاتے تھے، شراب پیتے اور خوب خوب عیش و عشرت کرتے تھے۔ عید سے بہٹ کر عام دنوں میں بھی ان لوگوں کی جہالت اور گمراہی حد سے زیادہ تجاوز کر گئی تھی۔

ہدایت کے روشن چراغ صلی اللہ علیہ وسلم — معاشرت کی اس درجہ ذلیل و گری ہوئی حالت تھی کہ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کے لئے رحمت بن کر تشریف لائے اور خدا کے بندوں کی ہدایت و رہنمائی کا کام شروع فرما دیا۔ پاکیزہ اخلاق کی تعلیم دینے لگے اسلامی احکام و قوانین کی اشاعت فرمائی مصلحت عامہ اور خوش فوائد کیلئے چند مخصوص دنوں کو تمام مسلمانوں کے لئے عید اور خوشی کے ایام مقرر فرمائے تاکہ تمام مسلمان ان دنوں میں مکمل طور پر ایک جگہ جمع ہو کر دینی اعمال کو بجا لائیں تاکہ آپس میں اتحاد و اتفاق کے تعلقات قائم ہوں۔ ان مبارک دنوں میں خصوصاً عید وغیرہ کی نماز کے موقعوں پر بلا امتیاز رنگ و نسل امیر و غریب بادشاہ و فقیر، عالم و جاہل، جوان و پیر سب ایک ہی صف میں کھڑے ہو جائیں اس طرح سیاسی مساوات اور

برابری کا درجہ پا کر شاد و مسرور ہو جاتے ہیں۔ اور پھر نماز سے فارغ ہوتے ہی بلا امتیاز طاقتور ہوں یا کمزور، مالدار ہوں یا محتاج، حاکم ہوں یا محکوم، پڑھے لکھے ہوں یا ان پڑھ سب ہی ایک دوسرے سے بغل گیر ہو جاتے ہیں گلے ملتے اور مبارکباد دینے سے دوستی کی تجدید اور محبت کی زیادتی ہو جاتی ہے۔ اس اجتماع کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ ایک دوسرے کے حالات معلوم کر کے اس کی ممکنہ مدد کریں۔ اور ضرورت مند کی حتی المقدور ضرورت پوری کریں۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس مبارک و مسعود دن میں بعض مخصوص اعمال و افعال کا بھی حکم دیا ہے اور فرمایا کہ عید کی خوشی منانے سے یہ مطلب نہیں کہ صرف نمائش اور دکھاوے کے لئے قیمتی لباس پہنے جائیں۔ اور عیش و عشرت کے جلسوں میں اپنا قیمتی وقت ضائع کریں بلکہ آپ نے فرمایا کہ عید کے دن کو اس لئے بھی اہمیت دی گئی ہے کہ سب کے سب دینی اور دنیاوی قومی اور معاشرتی فائدے حاصل کریں۔ قوم کا فرد ایک دوسرے سے مل کر ان کے اسباب اور وجوہ کو معلوم کریں جن سے انفرادی یا قومی خوبیوں میں ترقی ہو۔ اور اس کی خامیاں دور ہو سکیں۔

بس اس غرض کے لئے عید یا عام خوشی کے دن کو تہوار قرار دیا گیا۔ چنانچہ حج کا اجتماع عیدین میں با جماعت نماز کا اجتماع، ہر آٹھویں دن جمعہ کی نماز کا اجتماع اور روزانہ پانچ وقت محلہ کی مسجد میں نماز کا اجتماع وغیرہ بیشتر ... اپنی قومی و ملی اور انفرادی و اجتماعی زندگی کی فلاح و بہبودی کے لئے صحیح دیکھ بھال کے مواقع فراہم کرتے ہیں

اَلْعَاقِلُ تَكْفِيهِ الْإِشَارَةُ

بارگاہ ایزدی میں بصد عجز و نیاز بصمیم قلب دعا کرتی ہوں کہ "اے قادر مطلق" ہماری قوم و ملت کو قومی عزت اور اس کی عظمت و رفعت کو قائم رکھنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین ثم آمین۔

پردے پر ایک نظر

بہت سی مسلم حکومتیں پردے کے بارے میں یہ رائے رکھتی ہیں کہ "مسلم قوم کی ترقی میں پردہ ایک رکاوٹ ہے۔" ہمارے بہت سے ماڈرن مدبروں کا کہنا ہے کہ

"اگر ہمیں موجودہ دور کے ساتھ چلنا ہے اور اپنی قوم کو ترقی کرنا ہے تو ہماری عورتوں کو پردہ چھوڑنا ہے۔ سماجی سیاسی اور دیگر امور میں حصہ لینا چاہیئے۔ اپنی روایات کو برقرار رکھیں گے تو پھر ہم اس موجودہ ٹکنیکل دور میں جی نہیں سکتے۔"

مسلم بہنوں سے میں ادبًا گذارش کرتی ہوں کہ جب ہم مسلمان ہونے کا اقرار کرتے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ ہم قرآن اور رسول اکرمؐ کی بتائی ہوئی باتوں کو مانتے ہیں اور اس پر ہمارا پورا پورا عمل ہے اور یہی ہمارے ایمان کی سچی نشانی ہے۔

قرآن میں سورۃ النور کی ۲۹ - ۳۰ ویں آیت کریمہ میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ

"مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں، شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اپنی آرائش (زیور کے مقامات) کو ظاہر ہونے نہ دیا کریں۔ سوائے اس کے (منہ، ہاتھ، پیر کا) جو حصہ کھلا رہتا ہو، سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں، خاوند اور قریبی رشتہ داروں کے سوا کسی پر اپنی زینت اور سنگار کے مقامات کو ظاہر نہ ہونے دیں۔"

حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بہن حضرت اسماءؓ نے کچھ ایسا لباس پہن رکھا تھا کہ جس سے ان کے جسم کے تمام اعضاء صاف نظر آرہے تھے، اس وقت حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ "جب لڑکی بالغ ہوجاتی ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ اپنا چہرہ، ہاتھ اور پیر کے سوا جسم کے دوسرے اعضاؤں کو چھپائے۔"

قرآن و حدیث کے ان احکام سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورتوں پر اپنے حسن کی نمائش کے لئے سخت پابندیاں ہیں اور انہیں ایسی پوشاک کی اجازت دی گئی ہے کہ جس سے غیر مردوں پر برا اثر نہ ہونے پائے اور نہ وہ ان کی طرف رجوع ہوں۔

قرآن شریف میں یہ بھی حکم ہے کہ کسی اجنبی مرد سے نرم نرم باتیں نہ کرو تاکہ وہ شخص جس کے دل میں کسی طرح کا مرض ہے کوئی امید نہ پیدا کرے۔ ان سے دستور کے مطابق بات کیا کرو، نماز پڑھتی رہو، اور خدا اور اسکے رسول کی فرمانبرداری کرتی رہو۔" یہ بھی حکم ہے کہ

عورتیں جب باہر نکلا کریں تو چادر لٹکا کر (گھونگٹ نکال کر) نکلا کریں۔"

مجھے آج یہ دیکھکر بہت دکھ ہوتا ہے کہ ہماری ماں بہنوں میں بے پردگی حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے اور وہ اندھوں کی طرح مغرب کی پیچھے چل رہی ہیں درآں حالیکہ مغرب والے اب مذہب اسلام کی تعلیمات کو سمجھنے لگے ہیں۔ خاص کر ہماری تعلیم یافتہ بہنیں پردے سے بالکل غافل ہیں وہ اپنے مذہب اور تہذیب کو بھول بیٹھی ہیں۔ انہیں سوچنا چاہیئے کہ کیا اعلیٰ تعلیم کا مقصد یہی ہوتا ہے؟

میری بہنیں غلط فہمی کا شکار ہوں گی کہ میں اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ملازمت کرنے والی لڑکیوں کے خلاف ہوں۔ ایسا بالکل نہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ میری بہنیں اعلیٰ تعلیم حاصل کریں اور ملازمت بھی لیکن عزت و آبرو کے ساتھ کریں۔ اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی خیال رکھیں کہ وہ مسلم برادری سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور زندگی کے متعلق اُن کا ایک خاص نظریہ حیات بھی ہے۔

دلچسپ کہانی

از حامد ظفر

رقابت

ازدواجی زندگی کا سکون طرفین کے خلوص اور باہمی اعتماد پر منحصر ہوتا ہے

نجمہ کی شادی ہوئے ابھی چند ہی مہینے گذرے تھے اور وہ بہت زیادہ خوش تھی۔ ایک لڑکی کی اس سے زیادہ خوش نصیبی اور کیا ہو سکتی ہے کہ شادی ماں باپ کی مرضی سے ہو اور اسے اپنی پسند کا خوبصورت شوہر مل جائے پھر زندگی بھی خوشحال۔ سہیل کالج میں لکچرار تھا۔ نجمہ سہیل سے بے پناہ محبت کرتی تھی۔ جب تک وہ کالج میں رہتا، نجمہ گھر کی صفائی اور کچھ نہ کچھ کاموں میں لگی رہتی اور پھر شام سے پہلے ہی شام کا انتظار شروع کر دیتی۔ جیسے گھڑی کی سوئیوں اور کان اسکوٹر کی آواز پر لگے رہتے تھے اور جب سہیل پہنچ جاتا اس کے سامنے آ جاتا تو ایک مسکراہٹ نجمہ کے ہونٹوں پر پھیل جاتی جیسے کائنات کی ساری خوشیاں اس کے دامن میں آ گری ہوں۔

اتفاق سے سہیل کو کالج کے طلباء کی ایک پارٹی کے ساتھ تعلیمی ٹور پر جانا پڑا۔ یہ پہلا موقع تھا جبکہ نجمہ کو سہیل کے بغیر دو دن گذارنے تھے۔ اُسکی اداسیوں میں اضافہ ہو گیا۔ پہلا دن تو اس نے جیسے تیسے گزار دیا مگر دوسرا دن کاٹے نہ کٹتا تھا۔ سہیلیوں کے پاس جانے طبیعت نہ ہوتی تھی اور کتابوں میں دل نہ لگتا تھا۔ سہیل کے آنے میں مزید کچھ گھنٹے باقی تھے جب بوریت حد سے بڑھنے لگی تو نجمہ نے سہیل کی کتابوں کو صاف کرنا اور سلیقہ سے جمانا شروع کیا۔ سہیل سائنس کا گریجویٹ تھا گھر میں سب سائنس ہی کی کتابیں تھیں جو نجمہ کے لئے قطعی باعث دلچسپی نہیں تھیں۔ وہ کتابوں کو ٹھیک طور سے رکھ رہی تھی کہ ایک کیمسٹری بک سے چند کاغذات نیچے گر پڑے۔ نجمہ نے ان کاغذات کو زمین سے اٹھایا اور ان پر ایک سرسری نظر ڈالی تحریر سہیل کی تھی۔ پہلی نظر میں نجمہ نے اسے کیمسٹری کے نوٹس سمجھے مگر غور سے دیکھا تو کسی کے نام تحریر کردہ خط تھا۔ خط کیا تھا عشق کا اچھا خاصا اور برملا اظہار تھا۔ ذوقِ تجسس نے نجمہ کو مجبور کر دیا کہ وہ ان ڈائری نما خطوط کو پڑھے مگر ابتدائی چند سطور پڑھنے کے بعد ہی اس کو ایک عجیب سی وحشت ہونے لگی "کیا سہیل نے کسی لڑکی کو چاہا ہے؟" کیونکہ یہ خط تو کسی لڑکی کے نام لکھا گیا ہے۔ مگر سہیل نے مجھ سے کبھی اس کا تذکرہ تک نہیں کیا۔ ہماری شادی کو آج آٹھ ماہ ہو گئے ہیں اور اس عرصہ میں سہیل نے مجھے ہر طرح سے چاہا ہے اسکی بے پناہ چاہت نے مجھے کبھی سوچنے کا موقع نہیں دیا کہ وہ

پہلے ہی کسی کو اپنے دل کی رانی بنا چکا ہے"۔ نجمہ کے دل میں بیک وقت کئی سوالات اور شکوک پیدا ہو کر اچھل کود کرنے لگے نجمہ نے پہلے خط کو ہاتھ میں لیکر پڑھنا شروع کیا۔

۱۸ر جون۔

میری جانِ حیات مہر! کل میں نے تم کو پہلی بار گلاب باغ میں دیکھا جہاں تم اپنی سہیلیوں کے ساتھ آئی تھیں۔ ان آٹھ دس لڑکیوں میں تم ان سب کی ملکہ دکھائی دے رہی تھیں۔ تمہارا بے پناہ حسن، چال میں تمکنت، گفتار میں شیرینی، ہنسی میں نقرئی جھنکار، غرض تم میں کیا کچھ نہ تھا۔ میں مبہوت ہو کر بڑی دیر تک تمہیں دیکھتا رہا۔ میں نے آج تک کئی لڑکیوں کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ کالج میں، ہوسٹل میں، ہوٹلوں اور پارک میں، اور سینما گھر میں مگر کہیں بھی مجھے وہ حسن نظر نہیں آیا جو تم میں ہے۔ تم کو دیکھنے کے بعد میں حسن کی قیامت خیزیوں کا معترف ہو گیا۔ تم وہاں آدھا گھنٹہ ٹھہری رہیں۔ اور اس عرصہ میں [illegible] تمہیں ہی دیکھتا رہا۔ وقت ختم ہو گیا مجھے ہوش نہ رہا اور پھر تم چلی گئیں۔ جاتے جاتے میری نگاہوں نے تمہارا پیچھا کیا آخر تم ایک [illegible] میں بیٹھ کر کہیں دور گم ہو گئیں۔ میں نہیں بتا سکتا کہ کل سے اب تک کس طرح آگ پر کروٹیں بدلتا رہا ہوں۔ آج شام کو بھی میں وقت سے پہلے گلاب گارڈن پہنچ گیا تاکہ پھر تمہارے دیدار سے میری آنکھوں کو سیرابی ملے مگر آج تم نہیں آئیں۔ مسلسل انتظار کے بعد تھک ہار کر واپس آ گیا اور اب یہ خط لکھ رہا ہوں اگرچہ اسے پوسٹ نہیں کر سکتا کیونکہ مجھے تمہارا پتہ نہیں معلوم۔ میں نہیں جانتا تم کون ہو کہاں رہتی ہو جانتی ہو .... مجھے تمہارا نام کیسے معلوم ہو گیا۔ کل تمہاری ایک سہیلی نے تم کو مہر کے نام سے مخاطب کیا تھا۔ کتنا پیارا نام ہے یہ۔ واقعی تم مہر تاباں ہو۔

تمہارا "س"

نجمہ نے انتہائی صبر و ضبط کے ساتھ اس خط کو ختم کیا۔ خط پڑھنے کے دوران کئی بار اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ کئی بار تھرتھراتی ہوئی انگلیوں نے کاغذ کی گرفت کو ڈھیلا کر دیا۔ کتنی دفعہ اس نے اپنی آنکھوں میں نمی محسوس کی خط کے نیچے "س" دیکھ کر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور سہیل کے لئے نفرت کے جذبات ابھرنے لگے "ہونہہ کتنے مکار ہیں یہ حضرت لڑکیوں کا نام تو فوراً معلوم کر لیتے ہیں مگر اپنا نام لکھتے ہوئے شرم آتی ہے۔ پورا نام لکھتے ہوئے..... تو شاید بے چارے کی عزت گھٹ جاتی۔"

لاکھ ضبط کے باوجود نجمہ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ اس نے ساڑی کے کونے سے آنسو پونچھے اس کے دل میں سہیل سے متعلق برے خیالات آنے لگے "جب مہر وفا کی دیوی کے آگے سیس جھکایا تو پھر کیوں مجھے عذاب دینے کو یہاں لائے۔" اب تو اسے ان آٹھ ماہ کے دوران سہیل کی طرف سے جتائی گئی محبت بھی فریب لگنے لگی۔ "یہ ہے مرد کا کوئی بھروسہ نہیں" نجمہ نے دوسرے خط کو اٹھایا لکھا تھا۔

۲۰ر جون۔ آفتِ دل پر گل گلانے والی مہر! سلام شوق و محبت قبول ہو گذشتہ ایک ہفتہ سے تمہارے دیدار کو ترس گیا تھا۔ آنکھیں پتھرا گئیں مگر تمہاری موہنی صورت پھر کبھی دکھائی نہیں دی۔ خدا کا شکر ہے کہ کل پلازا سینما میں میں نے تمہیں پھر ایک بار قریب سے دیکھ لیا۔ اس بار بھی تمہارے ہمراہ سہیلیاں تھیں پوری فلم کے دوران میں تم کو ہی دیکھتا رہا۔ تم معاف کرو گی میں تمہیں بت بنے دیکھتا رہا مگر خدا گواہ ہے کہ میرے اس جذبہ بے خودی میں کسی ناپاک خیال